چاند رات کو چاندنی ملی

سُباس گُل

ناول سُباس گل

چاندرات کو چاندنی ملی

ابر برسے تو وہ ساون کی پھواروں جیسا

اور کُھل جائے تو پھر چاند ستاروں جیسا

اس کا آنچل ہے کہ ڈھلکا ہی چلا جاتا ہے

پھر بھی معصوم ہے وہ اَبر کے پاروں جیسا

''ٹرن ٹرن'' ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو رانیہ باہر جاتے جاتے پلٹی۔

''تھینکس گاڈ! لائن تو ملی۔'' دوسری جانب مامون ضیاء نے لائن ملنے پر کلمۂ شکر ادا کیا۔

''ہیلو۔'' رانیہ کی مترنم آواز مامون کے کان میں پڑی۔

''السلام علیکم! یہ رضیہ خالہ کا گھر ہے؟''

''جی ہاں! آپ کون صاحب؟''

''میں رضیہ خالہ کا بھانجا بات کر رہا ہوں کراچی سے، رضیہ خالہ سے بات کرا دیجئے۔''

مامون نے مہذب لہجے میں اپنا تعارف کرایا۔

''آپ کا نام؟''

''بھئی کیا یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ میں رضیہ خالہ کا بھانجا بات کر رہا ہوں۔'' مامون نے چڑ کر کہا۔

''مسٹر بھانجے! یہاں محلے میں میری اماں کو سب لڑکے لڑکیاں خالہ کہتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ سب کے سب اماں کے بھانجے، بھانجیاں ہو گئے وہ بھی سگے والے۔'' رانیہ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' وہ غصے سے بولا۔

''یہ آپ نے اپنے لئے پڑھا ہے نا۔'' رانیہ نے اسے مزید تپانے کو معصومیت سے کہا تو وہ سمجھ گیا کہ اتنی دیر سے لائن بزی کیوں مل رہی تھی، یقیناً یہ باتونی لڑکی ٹیلی فون پر اپنی کسی سہیلی سے گپیں مار رہی ہو گی۔

''میں ہارون ضیاء کا بھائی اور ضیاء الدین کا بیٹا، مامون ضیاء بات کر رہا ہوں، آیا آپ کی سمجھ میں، اب بات کرایئے میری رضیہ خالہ سے۔'' مامون نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے اپنا مکمل تعارف کرایا۔

''اور اگر نہ کراؤں بات تو۔'' رانیہ کو بھی اب اپنے کزن کو ستانے میں مزا آ رہا تھا، جس کو آج تک اس نے دیکھا نہیں تھا۔ شرارت سے کہا۔

''میں دیکھ لوں گا تمہیں۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

''دیکھ لینا مگر اچھی نظر سے کہیں مجھے نظر ہی نہ لگا دینا۔''

''دل تو تھپڑ مارنے کو چاہ رہا ہے۔'' وہ بولا تو رانیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور مامون کو

محسوس ہوا کہ جیسے اس کی سماعتوں میں جھرنے گنگنانے لگے ہوں، کتنی دلنشین ہنسی تھی اس کی وہ کھوسا گیا۔

''اماں! آپ کے بھانجے مامون ضیاء کا کراچی سے فون ہے لیں بات کریں ہامون جادوگر سے۔'' رانیہ نے رضیہ بیگم کو آواز دے کر کہا مامون کو اس کا ہامون جادوگر کہنا سلگا گیا، کتنی دلیر تھی یہ لڑکی کیسی بے تکلفی سے کزن ہونے کا حق استعمال کر رہی تھی۔ مامون کو حیرت ہو رہی تھی۔ آخر یہ لڑکی کیا چیز ہے؟

رانیہ نے ریسیور رضیہ بیگم کو تھما دیا اور خود چھت پر سوکھے کپڑے اُتارنے چلی گئی۔ کپڑوں کا ڈھیر اتار کر اٹھائے ہوئے نیچے واپس آئی تو رضیہ بیگم کو خوشی سے برآمدے میں ٹہلتے دیکھا۔

''خیر تو ہے اماں! کیا کہہ دیا اس ہامون جادوگر نے جو آپ اس قدر خوش دکھائی دے رہی ہیں؟'' رانیہ نے کپڑے تخت پر رکھتے ہوئے ان کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اے نام کیوں بگاڑ رہی ہے بچے کا، اتنا تو پیارا نام ہے مامون، سب اسے چاند کہتے ہیں۔''مون'' وہ پرسوں یہاں آرہا ہے، اس کی تین مہینے کی کوئی ٹریننگ ہے، اس لیے کہہ رہا تھا کچھ دن آپ کے پاس رہوں گا پھر کوئی اور بندوبست کرلوں گا۔ تین ماہ تک آپ پر بوجھ نہیں بنوں گا۔ میں نے تو ڈانٹ دیا کہ یہ کیسی باتیں کرتے ہو، خالہ کے گھر پہلی بار آرہے ہو اور کہیں اور جانے کی بات بھی سوچے ہوئے ہو۔ یہ تو میں نہ ہونے دوں گی۔ تم تین مہینے یہاں رہو گے ورنہ آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بڑی نہ نہ کرتا رہا بالآخر مان گیا۔'' رضیہ بیگم نے ساری بات تفصیل سے بتادی۔

''اماں! ابھی کل تو میرے امتحان ختم ہوئے ہیں اور ابھی میری پڑھائی کی تھکن بھی نہ اتری کہ آپ نے مستقل مہمان کو دعوت دے دی ہے۔ وہ بھی تین مہینے کے لیے گویا میری ساری

چھٹیاں ان موصوف کی خاطر تواضع کرتے ضائع ہو جائیں گی۔'' رانیہ نے منہ بسور کر کہا۔

''چپ نادان! مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتا ہے اور پہلی بار مامون یہاں آ رہا ہے، کبھی دو چار سال کی عمر میں یہاں آیا تھا، بڑے گھر کا بچہ ہے کار، کوٹھی کا عیش آرام ہے نوکر چاکر آگے پیچھے پھرتے ہیں اس کے۔''

''پھر بھی آپ نے اسے اپنے اس چھ سات مرلے کے گھر میں آنے کے لئے کہہ دیا یہاں کون سے نوکر چاکر ہیں جو اس ہامون جادوگر کی خدمت گزاری میں لگے رہیں گے اور روز روز نت نئے پکوان کہاں سے کھلائیں گے ہم اسے، بے شک ابا کا جنرل اسٹور ہے مگر آپ کے بھانجے کو وہ اس کی حیثیت کے مطابق تو نہیں رکھ سکیں گے یہاں۔'' رانیہ نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ بولیں۔

''ہم مامون کو اپنی حیثیت کے مطابق رکھیں گے، اس کے ماں باپ کو ہمارے حالات کا علم ہے۔''

''اماں! یہ مامون ضیاء آپ کی خالہ کی بیٹی سلمیٰ آنٹی کا بیٹا ہے نا!''

''ہاں اور تمیز سے بات کر، پانچ برس بڑا ہے وہ عمر میں تجھ سے، ایم سی ایس کیا ہے، بڑی اچھی نوکری ملی ہے اسے لاہور میں۔''

''ملی ہوگی میری بلا سے، میری چھٹیاں تو برباد ہو گئیں ناں اس کی وجہ سے۔'' رانیہ کپڑوں کی تہہ لگاتے ہوئے بولی۔

''وہ تجھے کیا کہہ دے گا، خبردار جو اس کے سامنے کوئی الٹی سیدھی بات کی ہاں اوپر والا کمرہ اچھی طرح سے صاف کر کے پلنگ پر نئی چادر بچھا دینا اور غسل خانے میں نیا تولیہ اور صابن وغیرہ بھی رکھ دینا۔'' اماں نے ہدایات دینا شروع کر دیں اور رانیہ غصے سے پیر پٹختی اُوپر چلی گئی۔

رضیہ بیگم اور امجد علی کے دو بچے تھے، ایک بیٹا اسجد علی اور اس سے پانچ سال چھوٹی رانیہ علی، امجد علی کا جنرل اسٹور تھا جو کامیابی سے چل رہا تھا۔ سات مرلے کا مکان بھی اپنا تھا۔ اسجد علی نے ایف اے کے بعد پڑھائی چھوڑ دی اور سنار کا کام سیکھ کر اپنے ایک دوست کے ساتھ دبئی چلا گیا۔ وہاں اس کا کام خوب چل نکلا تھا اور گھر والوں کو بھول گیا تھا۔ سال بھر سے اس کا کوئی خط نہیں آیا تھا، بس عید بکرا عید پر فون کر کے اس نے جیسے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ رضیہ بیگم اور امجد علی کو اکلوتے بیٹے کی لاپروائی اور بے حسی کا بہت رنج تھا اور وہ دونوں دل ہی دل میں بیٹے کی یاد میں خون کے آنسو روتے تھے۔ رانیہ کو اسجد علی پر غصہ آیا کرتا تھا، اسے دولت والوں سے اس لئے سخت چڑ ہو گئی تھی کہ وہ خون کے رشتوں کو دولت کی ہوس میں بھلا دیتے ہیں۔ رزق کی اندھی دوڑ میں رشتے کتنے پیچھے رہ جاتے ہیں رانیہ کو بہت کم عمری میں ہی اس کا احساس ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے مڈل کلاس سے تعلق ہونے پر شاکر تھی۔ اسے روپے پیسے، کار، کوٹھی کی خواہش تھی نہ ہوس۔ حال ہی میں اس نے بی ایس سی کا امتحان دیا تھا۔ وہ بہت ذہین تھی ہر سال اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوتی تھی۔ ہمیشہ اے گریڈ لیتی تھی۔ اس بار بھی وہ خاصی پُر امید تھی۔ رضیہ بیگم کی ایک ہی خالہ تھیں اور سلمیٰ ان کی بیٹی تھیں، ان کی شادی ضیاء الدین سے ہوئی تھی جو فیکٹریوں اور کار کوٹھی کے مالک تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے، ہارون ضیاء جو شادی شدہ اور بچوں والے تھے اور فیکٹری چلا رہے تھے ان سے چار سال چھوٹا مامون تھا بہت لائق تھا۔ ایم سی ایس کرنے کے بعد ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر رہا تھا اور اب اس سے اچھی کمپنی میں جاب ملنے پر ٹریننگ کے لئے لاہور آ رہا تھا۔ رضیہ بیگم کے ایک ہی بھائی تھے، مجید غفار اور ان کی بیوی رخسانہ مجید ان کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے، رخسانہ مجید رانیہ کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں اور امجد علی کے بھائی ارشد علی بھی رانیہ کو اپنی بہو بنانا چاہتے تھے۔

دونوں طرف دولت کا بھاری جہیز کا لالچ تھا کہ اسجد علی دبئی گیا ہے تو خوب دولت کما کما کر بھیج رہا ہوگا، لیکن جب انہیں گھر میں کوئی خوشگوار تبدیلی نظر نہیں آئی اور یہ معلوم ہوا کہ اسجد علی نے گھر والوں سے رابطہ ہی تقریباً ختم کر رکھا ہے، پیسے بھی نہیں بھیجتا تو وہ دونوں پیچھے ہٹ گئے۔ رانیہ ان کی نیتوں سے بے خبر نہیں تھی۔ جبھی وہ ان سب سے اور دولت سے بیزار رہتی تھی۔ جس نے اس کے خون کے رشتوں میں کھوٹ پیدا کر دیا تھا۔ اس کے سگے بھائی کو اس سے دُور کر دیا تھا۔

''امجد ہاؤس'' چم چم کر رہا تھا، رانیہ نے اماں (رضیہ بیگم) کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اوپر والے کمرے کو بھی دھو کر، جالے صاف کر کے خوب سلیقے سے سیٹ کر دیا تھا اور باقی گھر کو بھی دھو کر صاف ستھرا کر دیا تھا۔ ماموں بارہ بجے کی فلائٹ سے آ رہا تھا۔ ابا دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے گھر ہی آ گئے تھے۔ رانیہ نے چکن بریانی، مٹن قورمہ، کسٹرڈ اور سلاد بنایا تھا۔

''اماں! یہ موصوف تین ماہ یہاں رہیں گے اور آپ نے آج ہی سارے پکوان پکوا لئے۔'' رانیہ نے پانی پیتے ہوئے کہا۔

''پہلی بار آیا ہے ماموں یہاں، کیا سوچتا کہ خالہ ایک وقت اچھا کھانا بھی نہیں کھلا سکتی۔ وہ آ گیا ہے خبردار جو اس کے سامنے الٹی سیدھی بکواس کی۔ شرمندہ نہ کرا دینا مجھے اس کے سامنے۔'' رضیہ بیگم نے آہستگی سے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا۔

''ہاں جیسے پہلے تو میں ہر کسی کے سامنے آپ کو شرمندہ کراتی رہی ہوں نا۔''

''اری میری رانی! میرا یہ مطلب تھوڑی تھا، اچھا دس پندرہ منٹ میں کھانا لگا دینا اور ماموں کو بھی آ کر سلام کر دینا۔''

''اس حلیے میں۔'' رانیہ نے اپنے میلے کپڑوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''صبح سے تو

آپ نے کچن میں گھسا رکھا ہے میں کھانا لگا کر نہانے چلی جاؤں گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے ڈھنگ کے کپڑے پہننا۔" رضیہ بیگم نے جلدی سے کہا اور تیزی سے ڈرائنگ روم میں چلی گئیں۔ جہاں مامون آچکا تھا اور امجد علی سے محوِ گفتگو تھا۔ رضیہ بیگم سے بھی وہ بہت مہذب انداز میں ملا کچھ دیر دونوں میاں بیوی اس سے گھر والوں کی، اس کی ملازمت کی بابت گفتگو کرتے رہے پھر تینوں نے مل کر کھانا کھایا، مامون کو ٹیلی فون پر بات کرنے والی لڑکی یعنی رانیہ کو دیکھنے کی تمنا تھی اور وہ کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ امجد علی کھانے کے بعد مامون کو آرام کرنے کا کہہ کر واپس اپنے اسٹور پر چلے گئے تھے۔

"خالہ جان! میں نے جب فون کیا تھا تو کس نے اٹھایا تھا؟"

"رانیہ نے اٹھایا تھا۔"

"رانیہ کون؟" اسے سلمیٰ بیگم نے بتایا تھا کہ رانیہ ان کی بیٹی ہے مگر وہ انجان بن کر پوچھ رہا تھا۔

"میری اکلوتی بیٹی ہے اور کون، تم لوگ کبھی ملے جو نہیں اسی لئے تمہیں معلوم نہیں ہے۔ کھانا اسی نے پکایا تھا، صبح سے کام میں لگی ہوئی تھی شاید تھک کر سو گئی ہو۔ بیٹا اب تم بھی آرام کرو تمہارا کمرہ اوپر چھت پر ہے اپنا سامان بھی وہیں لے جاؤ انشاءاللہ شام کو ملاقات ہوگی۔" رضیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے خالہ جان!" وہ سعادت مندی سے بولا اور اپنا سوٹ کیس اٹھا کر سیڑھیاں چڑھتا جونہی اوپر پہنچا اس کی نظر رانیہ پر پڑی جو نہانے کے بعد دھوپ سینکنے چھت پر آ گئی تھی۔ وہ سفید شلوار ہلکے نیلے رنگ کی کاٹن کی قمیض دوپٹے میں نکھری نکھری بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ رانیہ بھی آہٹ سن کر سیڑھیوں کی جانب مڑی تو اپنے روبرو ایک چھ فٹ لمبے، مضبوط وجیہہ سرخ و سفید رنگت والے خوبرو نوجوان کو دیکھ کر سٹپٹا گئی، اسے خیال ہی نہیں رہا تھا کہ اوپر تو اب

مامون کا کمرہ سیٹ کر دیا گیا ہے۔ وہ آرام کرنے یہیں آتا مگر رانیہ تو نہا کر حسب عادت اوپر آ گئی تھی۔ اب شرمندہ سی واپس جانے لگی تو مامون نے اس کے سراپے پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے شوخ لہجے میں مسکرا کر کہا۔

''اوہ! تو آپ ہیں ملکہ رانیہ۔''

''اوہ! تو آپ ہیں ہامون جادوگر۔'' رانیہ نے برجستہ جواب دیا تو مامون کو بے اختیار ہنسی آ گئی اور وہ نروس ہو کر نیچے جانے کے ارادے سے آگے بڑھی ہی تھی کہ مامون نے اس کا ہاتھ تھامنے کی جسارت کر ڈالی۔ رانیہ اس کی اس حرکت پر حیران رہ گئی۔

''آتے ہی اپنی اوقات دکھا دی نا، چھوڑو میرا ہاتھ۔'' رانیہ نے غصے سے اس کے خوبرو چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''فون پر خود ہی تو کہا تھا تم نے کہ مجھے دیکھ لینا مگر اچھی نظر سے کہیں نظر نہ لگا دینا اور میں نظر تھوڑی لگا رہا ہوں، میں تو تمہیں اپنی نظر میں سما رہا ہوں، بسا رہا ہوں۔ رانیہ تم واقعی رانی ہو۔'' مامون نے اس کے چہرے کو والہانہ پن سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''چھوڑو میرا ہاتھ خوب جانتی ہوں میں تم جیسوں کو، کلی کلی منڈلانے والے بھنورے، لڑکی دیکھتے ہی تم جیسوں کی شرافت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔'' وہ اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے نفرت سے بولی۔

''شٹ اَپ!'' مامون کی غیرت وأنا پر تازیانہ لگا تھا۔ اس نے غصے میں رانیہ کے گال پر تھپڑ رسید کر دیا۔ رانیہ اس کے اس ردعمل کے لئے ہرگز تیار نہیں تھی لڑکھڑا کر صحن کی دیوار سے جا ٹکرائی، اس کے سر پر زور کی چوٹ لگی تھی۔ رانیہ کی چیخ نکل گئی۔ مامون کو اپنی سنگین غلطی کا فوراً ہی احساس ہوا تھا، وہ اُسے پکڑنے کے لئے بڑھا تو رانیہ نے غصے سے اس کے ہاتھ

جھٹک دیئے اور اتنی حقارت سے اسے گھورا کہ وہ اندر تک سے شرمسار سا ہوگیا۔ وہ اس پر قہر آلود نگاہ ڈال کر تیزی سے نیچے دوڑ گئی۔ مامون نے اس کی آنکھوں میں سے چھلکتی نفرت کو محسوس کرتے ہوئے آنکھیں میچ لیں۔

''او گاڈ! یہ مجھ سے کیا ہوگیا؟'' مامون نے بے بسی سے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہوئے کہا جو غصے میں رانیہ پر اٹھ چکا تھا۔ ''اسے بھی تو وہ سب نہیں کہنا چاہئے تھا میں نے کب کسی لڑکی کو اس نظر سے دیکھا یا چُھوا ہے کسی کو بھی نہیں ......رانیہ کو دیکھتے ہی میں بے قابو، بے خود اور بے اختیار ہوگیا تھا۔ شاید شرارت اور مذاق کی نیت سے، اسے تنگ کرنے کے لئے بول گیا تھا۔ پتہ نہیں کیا ہوگیا تھا مجھے؟ وہ تو مجھے ایک بُرا انسان سمجھے گی۔ اب کتنی نفرت تھی اس کی آنکھوں میں میرے لئے، یہ آتے ہی میں نے کیا گل کھلایا ہے۔ اُف میرے اللہ۔'' مامون اپنے کمرے میں آ گیا تھا اور سامان رکھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچ رہا تھا، خود کلامی کر رہا تھا، بہت بے چین ہو رہا تھا۔

''گھٹیا، آوارہ، فلرٹ کیسے مجھے دیکھتے ہی لٹو ہوگیا اور میں نے آئینہ دکھایا تو الٹا مُجھی پر ہاتھ اُٹھا لیا۔ مامون ضیاء تم نے بہت بُرا کیا ہے میرے ساتھ اور اب اچھا تو میں بھی تمہارے ساتھ نہیں کروں گی۔ میں اماں کو شرمندہ نہیں دیکھ سکتی ورنہ ابھی میں تمہاری اس گھٹیا حرکت کے بارے میں ضرور بتا دیتی۔ تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھا کر دشمنی مول لی ہے، تمہارا پہلا تاثر ہی قابل نفرت ہے، آئی ہیٹ یو مامون ضیاء، آئی ہیٹ یو، تم نے اپنی اس حرکت سے ثابت کر دیا ہے کہ تم ایک بگڑے ہوئے آوارہ مزاج امیر زادے ہو لیکن میں تمہارے مزاج کی لڑکی نہیں ہوں، یہ تم بھی جان لو گے۔'' رانیہ اپنے کمرے میں آ کر بستر پر ڈھے گئی۔ خاموشی سے روتے ہوئے دل میں سوچتے سوچتے نیند کی وادی میں اُتر گئی۔

دو دن ہو گئے تھے اس واقعے کے بعد رانیہ اور مامون کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ رانیہ دانستہ اس کے سامنے آنے سے کترا رہی تھی۔

"رانیہ بیٹی! یہ مامون ابھی تک نیچے نہیں آیا، دیکھنا جا کر کہیں سو ہی نہ رہا ہو، دفتر بھی تو جانا ہے اسے۔ کبھی دیر ہو جائے۔" رضیہ بیگم نے اگلی صبح رانیہ سے کہا امجد علی ناشتہ کر کے اسٹور پر چلے گئے تھے اور مامون ابھی تک ناشتے کے لئے آیا نہیں تھا۔

"اماں! میں نہیں جا رہی بھوک لگے گی تو آ جائیں گے موصوف۔" رانیہ نے منہ بنا کر جواب دیا۔ انہوں نے ٹرے اٹھا کر کہا۔

"اچھا چل یہ ناشتہ بھائی کو اوپر ہی دے آ۔"

"میرا کوئی بھائی نہیں ہے، جب سگا بھائی اپنا نہیں بنا تو یہ کیوں میرا بھائی بننے لگا۔" وہ غصے سے کہتی کچن سے تیزی سے باہر نکل گئی اور اس جانب آتے مامون سے ٹکرا گئی۔

"اپنی آنکھیں کھلی رکھا کرو مسٹر۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا رانیہ نے فوراً ہی اسے اس ٹکراؤ کا دوش دیتے ہوئے غصے سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"آنکھیں کیا میں نے تو اپنے دل کے دروازے بھی تمہارے لئے کھول رکھے ہیں۔"

"اپنی کھال میں رہو ورنہ میں ابا سے تمہاری شکایت کر دوں گی اور اس گھر کے دروازے تم پر ضرور بند کر دیئے جائیں گے سمجھے تم۔" رانیہ نے غصے سے اسے گھورتے ہوئے کہا تو وہ بھی سپاٹ لہجے میں بولا۔

"سمجھ گیا تم بھی سمجھ جاؤ، پانچ چھ سال بڑا ہوں میں، تم سے عمر میں، تمیز سے آپ کہہ کر بات کیا کرو مجھ سے۔"

"عمر میں بڑے ہو حرکتیں تو بہت چھوٹی اور گری ہوئی کرتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ رکی نہیں تھی

اور اپنے کمرے میں جا گھسی تھی۔

"مامون بے بسی سے لب کاٹتا ناشتہ کئے بغیر ہی آفس کے لئے نکل گیا۔

"رانی! تو نے کیا کہا ہے مامون سے جو وہ ناشتہ کئے بغیر ہی آفس چلا گیا؟"

رضیہ بیگم نے باورچی خانے کی جالی دار کھڑکی سے اسے مامون سے الجھتے دیکھ لیا تھا جبھی اس کے جانے کے بعد رانیہ کے سر پر جا پہنچیں اور جرح کرنے لگیں۔

"واپس آئے گا تو اسی سے پوچھ لیجئے گا۔" رانیہ نے چڑ کر جواب دیا۔

"تمہاری ان حرکتوں اور روّیوں کو دیکھ کر وہ یہی سمجھے گا کہ تمہیں اس کا یہاں آنا اچھا نہیں لگا، وہ واپس چلا جائے گا تو کیا عزّت رہ جائے گی میری۔ اس کے ماں باپ کی نظر میں، کیا سوچیں گے وہ کہ رضیہ چار دن بھی ہمارے بیٹے کو اپنے گھر مہمان نہیں رکھ سکی۔ آخر تیرا مسئلہ کیا ہے بتا مجھے؟" رضیہ بیگم نے غصے سے سوال کیا۔

"آپ جانتی ہیں مجھے امیر لوگ اچھے نہیں لگتے۔"

"لالچی لوگ اچھے نہیں لگتے مجھے۔"

"سارے امیر بُرے تھوڑے ہوتے ہیں اور مامون کی طبیعت کتنی سادہ ہے، امیروں والے چونچلے ہیں نہ نخرے اتنا پیارا سعادت منداور نیک بچہ ہے کبھی اس سے ہنس بول بھی لیا کر کون سا پردہ ہے تیرا اس سے؟" رضیہ بیگم نے اس کی بات کی تصحیح کرتے ہوئے مامون کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے اسے ہدایت دی۔

"اچھا اماں، کرلوں گی بات ابھی تو مجھے سونے دیں۔" اس نے ان کی ڈانٹ سے بچنے کے لئے ان کی بات مانتے ہوئے کہا۔

"نہ یہ کون سا وقت ہے سونے کا۔ اٹھ کر کام ختم کر، نحوست پھیلانے کی ضرورت نہیں

ہے۔" رضیہ بیگم کو پھر جلال آ گیا سختی سے بولیں۔

"کام ختم کر تو لیا ہے، جھاڑو پوچا، ڈسٹنگ کر دی ہے بستر درست کر دیئے اب اور کون سا کام کروں؟"

"مامون کا کمرہ اس گھر کا حصہ نہیں ہے کیا چار دن ہو گئے آج تُو نے صفائی تک نہیں کی وہ کیا سوچے گا کیسے گندے کمرے میں رہ رہا ہوں۔"

"آپ کو تو بس اپنے اس لاڈلے کی فکر ہے، وہ کیا سوچے گا۔ اس کے اماں ابا کیا سوچیں گے، کر دیتی ہوں صفائی۔" وہ جلتی ہوئی بستر سے اترتے ہوئے بولی تو انہوں نے ہدایت دی۔

"صحن میں بھی جھاڑو لگا دینا، وہ گیا ہوا ہے اس کے آنے سے پہلے ہی صفائی کر لے، بعد میں اس کے سامنے جاتے ہوئے نخرے کرے گی۔"

"جی اچھا، سارا سکون برباد کر کے رکھ دیا ہے موصوف نے۔"

کمرے میں جھاڑو پوچا لگانے کے بعد منہ ہاتھ دھویا اور اس کے کمرے کی ڈسٹنگ کرنے لگی۔ مامون کی تمام چیزیں ترتیب سے رکھنے کے بعد وہ ڈسٹنگ کرتے ہوئے رائٹنگ ٹیبل پر رکھی اس کی فریم شدہ تصویر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ وہ ایک وجیہہ مرد تھا۔ سرخ وسفید رنگت، ڈارک براؤن گھنے سلکی بال، ڈارک براؤن چمکدار آنکھیں پر کشش چہرہ اس پر مسکراتے احمریں لب، دراز قامت، کسرتی بدن کا مالک مامون ضیاء کسی شہزادے سے کم نہیں تھا۔ لڑکیاں اس کی مردانہ وجاہت پر مرتی تھیں مگر رانیہ سوچ رہی تھی کہ کاش! اس خوبصورت مرد کی سیرت بھی اتنی ہی خوبصورت ہوتی، یہ دل پھینک نہ ہوتا، کہ لڑکی دیکھتے ہی ڈائیلاگ بولنے لگے۔"

مامون کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسے ہلکا سا بخار تھا وہ اسی لیے دیر سے گھر سے نکلا تھا اور آفس میں دو دن کی چھٹی کی درخواست دے کر ڈاکٹر سے چیک اَپ کروا کے دوا خریدتا ہوا واپس گھر آیا تھا اور اپنے کمرے میں قدم رکھتے ہی اس کی نظر رانیہ پر پڑی جو اس کی تصویر پر اپنا آنچل پھیرتے ہوئے اسے بغور دیکھ رہی تھی، وہ لمحے بھر کو ٹھٹکا پھر جانے کیوں مسکرا دیا۔ رانیہ عام سے گھریلو حلیے میں بھی بے حد پُرکشش دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب کر رہی تھیں۔

''اتنے غور سے میری تصویر میں کیا دیکھ رہی ہو؟'' مامون نے اپنے بھاری دلکش لہجے میں سوال کیا تو وہ بری طرح سٹپٹا کر اس کی سمت دیکھنے لگی اور پھر اس کی مسکراہٹ سے گھبرا کر تصویر واپس میز پر رکھتے ہوئے بولی۔

''دیکھ رہی تھی کہ اس تصویر کی آنکھوں میں شرم وحیا ہے کہ نہیں۔''

''پھر ملی؟'' وہ دو قدم آگے چلا آیا اور دواؤں کا لفافہ میز پر رکھ دیا۔

''کیا؟''

''شرم وحیا'' وہ بولا

''ہونہہ۔'' وہ سر جھٹک کر بولی اور کمرے سے جانے لگی تو مامون نے اپنا بازو آگے کر کے اس کا راستہ روک لیا۔ رانیہ نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا۔

''کبھی پیار سے بھی دیکھ لیا کرو۔''

''تمہیں بخار ہے۔'' رانیہ نے بے اختیاری میں پوچھا تھا، اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''ہاں!

''کب سے۔''

''جب سے تمہیں دیکھا ہے۔''

''اچھا! تو یہ دوا ڈاکٹر سے کیوں لینے گئے تھے؟'' وہ طنزیہ لہجے میں پوچھنے لگی۔

''تم نے اپنے بیمار کو مسیحائی سے جو محروم کر رکھا تھا پھر مرتا کیا نہ کرتا۔'' مامون نے مخمور لہجے میں جواب دیا۔

''بکواس۔'' وہ جھلائی۔ ''میں نے غلطی کی جو یہاں صفائی کرنے چلی آئی، مجھے کیا معلوم تھا کہ اس وقت شیطان بھی نازل ہو سکتا ہے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''میں شیطان نہیں ہوں رانیہ! بلکہ تمہارا قدردان ہوں۔'' وہ تڑپ کر بولا تو اس نے تلخی سے کہا۔

''آتے ہی تھپڑ دے مارا ایسے ہی ہوتے ہیں ناں قدردان۔''

''آئی ایم سوری! تمہارے سامنے کھڑا ہوں چاہو تو بدلہ لے سکتی ہو۔ کیونکہ میں تب سے بہت بے چین تھا، اب تک اس تھپڑ کا بہت افسوس تھا مجھے، چاہو تو یہ ہاتھ ہی قلم کر دو جو تم پر غصے میں، انجانے میں اٹھ گیا تھا۔'' مامون نے اس قدر ندامت کے احساس سے پُر لہجے میں کہا کہ اس کا دل پگھل گیا۔ اس نے ایک نظر اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر ڈالی اور خاموشی سے سائیڈ سے نکل کر چلی گئی۔ مامون مسرور سا ہو کر مسکرانے لگا۔

''اماں! مامون کو بخار ہے، دوا لائے ہیں وہ ڈاکٹر سے چیک اَپ کرا کے۔'' نیچے آ کر اس نے رضیہ بیگم کو بتایا۔

''ہائے جبھی تو میں کہوں کہ بچہ نیچے کیوں نہیں آیا، وہ تو فجر کے وقت اٹھ جاتا ہے۔ بخار تھا اور ہمیں بتایا تک نہیں۔ اوپر ٹھنڈ بھی بہت ہوتی ہے، نہ کوئی ہیٹر ہے کہ سردی کا اثر کچھ کم ہو سکے وہ تو کراچی کا باسی ہے، کراچی والوں سے اتنی سردی کہاں برداشت ہوتی ہے۔ میں دیکھتی

ہوں جا کے ایک تو یہ جوڑوں کے درد نے الگ سیڑھیاں چڑھنے اترنے میں مشکل پیدا کر دی ہے۔" رضیہ بیگم نے فکرمندی سے کہا اور اوپر جانے لگیں۔

شام تک مامون کا بخار مزید بڑھ گیا تھا۔ اتنی سردی میں اسے گرمی لگ رہی تھی کبھی کمبل اوڑھ لیتا کبھی اتار پھینکتا، سب ہی گھبرا گئے تھے اس کی حالت دیکھ کر۔

امجد علی نے گیلا کپڑا اس کے ہاتھوں اور چہرے پر پھیرا تاکہ گرمی کم ہو، اور رضیہ بیگم سے ایسا ہی کرنے کی تاکید کی۔

"میں ڈاکٹر کو بُلا لاتا ہوں۔" امجد علی نے نیچے آ کر رضیہ بیگم سے کہا اور ڈاکٹر کو لینے چلے گئے۔

"رانیہ جا بھائی کے پاس اور جیسے تیرے ابا نے کہا ہے ویسے کر مجھ سے بار بار سیڑھیاں نہیں چڑھی جاتیں۔" رضیہ بیگم نے اسے کہا تو چونکہ مامون کی حالت کی وجہ سے پریشان تھی اس لئے انکار نہ کر سکی اور فوراً اوپر اس کے کمرے میں چلی آئی اور وہ تکئے پر سر دائیں بائیں بے چینی سے ہلا رہا تھا۔

وہ خاموشی سے رومال اٹھا کر اس کے چہرے پر پھیرنے لگی، مامون مسکرا دیا اور اس کے ہاتھ تھام لئے، وہ ٹپٹا گئی دروازے کی سمت دیکھا کہ کہیں اماں ابا نہ آ رہے ہوں۔ مامون نے آنکھیں موند لیں اور اس کے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرنے لگا۔

"رانیہ، رانیہ۔" مامون مدہوشی کے عالم میں اسے پکار رہا تھا۔

"چپ کرو، اماں ابا نے سن لیا تو، شرم نہیں آتی تمہیں، بیماری میں بھی چین نہیں ہے، میں باز آئی تمہاری مسیحائی سے۔" رانیہ غصے سے اسے دیکھتے ہوئے بولی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

ڈاکٹر نے مامون کا چیک اَپ کیا، اسے 102 بخار تھا۔ امجد علی نے اسے دلیہ کھلانے کے

بعد دوا کھلا دی۔ پھر وہ سو گیا تو سب نیچے آ گئے۔ مگر مامون کی فکر بھی تھی کہ اگر وہ رات کو جاگ گیا تو اس کی دوا کا خیال کون رکھے گا اسی خیال سے امجد علی اس کے کمرے میں جا کر سو گئے۔ صبح تک اس کا بخار اُتر چکا تھا مگر کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ ناشتے کے بعد اس نے دوا کھائی اور کمرے سے باہر صحن میں رکھی کرسی پر آ بیٹھا جہاں دھوپ کی سنہری کرنیں اپنی نرم گرم شعاعیں چارسو پھیلا رہی تھیں۔ وہ رانیہ کے بارے میں سوچ رہا تھا جو پہلی نظر میں ہی اس کے دل کو بھا گئی تھی۔ اس کی روح میں سما گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کو اپنے سندر سپنوں سے سجا گئی تھی۔ اس کی بیماری نے اسے بھی پریشان کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

رخسانہ مجید اپنی بیٹی شبانہ کے ساتھ ''امجد ہاؤس'' آئی تھیں۔

''بھابھی! خیریت ہے نا آج اتنے مہینوں بعد ہمارے گھر کا رستہ کیسے بھول گئیں، آپ اور وہ بھی اتنی صبح صبح۔'' رضیہ بیگم نے انہیں بٹھانے کے بعد مسکراتے ہوئے پوچھا تو رخسانہ مجید کہنے لگیں۔

''بھئی ہم نے سنا ہے کہ سلمٰی کا بیٹا تمہارے ہاں آیا ہوا ہے اور تم لوگوں نے ہمیں بھنک تک نہیں پڑنے دی کہاں ہے وہ؟''

''اوپر ہے، ذرا طبیعت ٹھیک نہیں ہے اسی لئے آج آفس بھی نہیں گیا۔''

رضیہ بیگم نے مسکرا کر بتایا ر خسار مجید تیز لہجے میں بولیں۔

''طبیعت کیوں خراب ہو گئی اس کی، کیا کھلا پلا دیا بچے کو کہ وہ یہاں آتے ہی بیمار پڑ گیا۔''

''انہیں سردی لگی ہے۔'' رانیہ نے اپنا غصہ ضبط کر کے کہا۔

''سردی تو لگے گی ہی اوپر چھت پر پہنچا دیا اسے نیچے بندوبست کر دیتے، ورنہ ہمارے

ہاں بھیج دیتے، آخر ہمارا گھر بھی تو اس کے ماموں کا گھر ہے، اس کا حق ہے ماموں پر اور ہمارا حق ہے اس پر۔ نام کیا ہے اس کا، مامون ہے نا!" رخسانہ مجید تیزی سے بولتی چلی گئیں۔

دراصل وہ اپنی بیٹی کے لئے مامون کو رام کرنے کے ارادے سے یہاں آئی تھیں، مامون کو اپنا داماد بنانا چاہتی تھیں۔ رضیہ اور رانیہ ان کی آمد کا سبب خوب سمجھتی تھیں۔

"اے تو بلاؤ نا اسے کیا ہم سے پردہ کرے گا وہ؟"

"رانیہ! جاؤ بھائی کو بلا لاؤ، کہنا رخسانہ ممانی آئی ہیں اور ساتھ شبانہ بھی ہے وہ بہت خوش ہوگا ان سے مل کے۔" رضیہ بیگم نے رانیہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو رخسانہ مجید فوراً بول پڑیں۔

"ہم اس سے اوپر جا کر ہی مل لیتی ہیں۔"

"ممانی وہ سو رہے تھے، ویسے بھی وہ مہمانوں سے اپنے کمرے میں نہیں ملتے۔ میں جا کر دیکھتی ہوں اگر جاگ رہے ہوں گے تو انہیں آپ کی آمد کی اطلاع کر دوں گی۔" رانیہ نے سنجیدگی سے کہا اور ان کا بگڑتا منہ دیکھ کر دل ہی دل میں مسکراتی ہوئی اوپر مامون کے کمرے میں چلی آئی تو اسے موجود نہ پا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"مامون! کہاں چلے گئے؟" وہ بآواز بولی تھی اور جواب بھی فوراً ملا تھا۔

"مامون کہاں جا سکتا ہے، اب تم نے تو اس کے جانے کے تمام راستے ہی بند کر دیئے ہیں۔" مامون نے اسے اپنے کمرے میں جاتے دیکھ لیا تھا جبکہ رانیہ اپنی دھن میں چلتی ہوئی صحن میں دھوپ والی جگہ پر نگاہ دوڑائے بغیر ہی سیدھی کمرے میں چلی آئی تھی۔

"نیچے مجید ماموں کی بیگم اور بیٹی آئی ہیں آپ سے ملنے، یہی بتانے آئی تھی۔ اماں نے بُلانے کے لئے کہا ہے۔" رانیہ نے اس کی بات دانستہ نظر انداز کرتے ہوئے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

"ٹھیک ہے، تم چلو میں آتا ہوں۔" مامون نے جواب دیا تو وہ سر ہلا کر واپس جانے لگی، مامون دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا تھا۔

رانیہ کے قریب آنے پر ایک طرف ہو گیا مگر جونہی رانیہ گزرنے لگی اس نے اس کے آگے پیچھے اپنے ہاتھ چوکھٹ پر رکھ کر اس کا راستہ مسدود کر دیا اور پھر اس کی بے باک اور شرارت بھری جسارت پر رانیہ کے رخسار دہک اٹھے۔ یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ کسمسا کر غصے سے بولی۔

"یہ اس تھپڑ کا کفارہ ہے اور اس مسیحائی کا شکریہ ہے جو تم نے دن بھر کی تھی، آئی لو یو رانیہ، آئی رئیلی لو یو، تم میری زندگی ہو، روح ہو راحت ہو، اب کوئی دوسرا تمہیں مجھ سے نہیں چھین سکتا، تم صرف میری ہو، صرف میری۔" مامون نے اس کے حیا کی لالی اور غصے کی حدت سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے محبت پاش لہجے میں کہا اور اس سے پہلے خود ہی نیچے چلا گیا اور رانیہ وہیں حیران، پریشان اور غصے سے بھری کھڑی رہ گئی۔

"مامون بیٹا! کچھ دن اپنے ماموں کے گھر بھی آ کر رہ لو، کیا ہم تمہارے کچھ نہیں لگتے؟" رخسانہ مجید نے اسے دیکھتے ہوئے لگاوٹ سے کہا۔

"آنٹی! یہ بات نہیں ہے، دراصل میں یہاں کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔ صبح گھر سے نکلتا ہوں تو شام کو لوٹتا ہوں، انشاء اللہ کسی روز آؤں گا آپ کی طرف بھی۔" مامون نے نرمی سے جواب دیا۔

"یعنی آپ ہمارے گھر رہنے کے لئے نہیں آئیں گے۔" شبانہ نے بڑی ادا سے کہا۔ فل میک اَپ اسٹائلش لباس میں وہ اسے مرعوب و مائل کرنے کے ارادے سے آئی تھی۔ رخسانہ مجید بھی یہی چاہتی تھیں کہ ان کی تینوں بیٹیوں میں سے کسی ایک کو تو مامون پسند کر ہی لے تو

مزے آجائیں گے وہ بھی اونچے گھر کا داماد ملنے پر اترایا کریں گی۔

''میں آپ لوگوں کو زحمت نہیں دینا چاہتا، یہاں آرام ہے، تنہائی ہے، خاموشی ہے، میں سکون سے اپنا کام کرتا ہوں۔ آپ لوگوں کو ناحق میری وجہ سے بہت سی باتوں کا خیال رکھنا پڑے گا، جو میں نہیں چاہتا۔'' مامون نے مہذب لہجے میں طریقے سے جواب دیا اور کھڑا ہو گیا۔

''ارے بیٹھو نا بیٹا، کہاں چل دیے؟'' رخسانہ مجید نے فوراً کہا۔

''آنٹی پلیز! آپ مائنڈ مت کیجئے گا میری طبیعت خراب ہو رہی ہے، میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں، انشاء اللہ سنڈے کو آپ کی طرف ضرور آؤں گا۔'' مامون نے نرم اور مہذب لہجے میں جواب دیا۔

''ضرور آنا، ہم انتظار کریں گے۔'' رخسانہ مجید نے تاکید کی۔

''جی ضرور اچھا خدا حافظ!'' وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

پھر رخسانہ مجید اور شبانہ بھی مزید نہیں رکیں اپنے آنے کا مقصد پورا ہوتے ہی واپس چلی گئیں۔

''مجھے لگتا ہے اس کلموہی رانیہ نے مامون کو قابو میں کر لیا ہے، جبھی تو وہ تمہاری طرف دیکھنے سے بھی کترا رہا تھا۔ حالانکہ تم رانیہ سے زیادہ حسین ہو، گوری چٹی ہو، اس کا تو رنگ ہی کالا ہے۔'' گھر آتے ہی رخسانہ مجید نے اپنی بھڑاس نکالتے ہوئے شبانہ سے کہا۔

''توبہ کریں امی، رانیہ کا رنگ کھلتا ہوا گندمی سا ہے، اتنی اٹریکشن ہے اس کے چہرے میں کہ سچ اگر میں لڑکا ہوتی تو رانیہ کو اپنی دلہن بناتی۔'' سب سے چھوٹی رانیہ کی ہم عمر رومانہ نے مسکرا کر کہا تو ڈپٹ کر بولیں۔

''چپ بے شرم، میں اپنے گھر میں کسی غریب سی لڑکی کو دلہن بنا کر نہیں لانے والی ہاں،

اور تُو تو ہمیشہ رانیہ کی حمایت میں ہی بولا کر۔ اپنی فکر کرو تم تینوں، مامون سنڈے کو آنے کا کہہ رہا تھا، ذرا ڈھنگ سے تیار ہونا کسی ایک کو تو وہ پسند کر ہی لے گا۔''

''رانیہ نے کوئی بناؤ سنگھار نہیں کر رکھا تھا، عام سے کپڑے پہن رکھے تھے، بھلا مامون جیسا امیر گھر کا لڑکا ایسی لڑکی کو کیوں پسند کرے گا اور پھوپھی بھی تو رانیہ سے کہہ رہی تھیں کہ بھائی کو بُلا لاؤ، وہ بھی بھائی ہی کہتی اور سمجھتی ہوگی مامون کو۔'' شبانہ نے کہا۔

''جو بھی سمجھتی ہے سمجھا کرے، مامون یہاں سے ہو کر چلا جائے پھر میں اس کی ماں کو فون کروں گی اور طریقے سے بات اس کے کان میں ڈال دوں گی۔'' رخسانہ مجید نے بیزاری سے کہا تو وہ تینوں مسکرانے لگیں۔

سنڈے کو مامون مجید غفار اور رخسانہ مجید کے گھر پہنچا تو اس کا بہت گرمجوشی سے استقبال کیا گیا تھا۔ رخسانہ مجید تو اس پر صدقے واری جا رہی تھیں اور وہ حیران سا انہیں دیکھ اور سن رہا تھا۔ مجید ماموں بہت کم بولتے تھے۔ ان کی کمی بھی رخسانہ مجید ہی پوری کر رہی تھیں۔ شبانہ، شاہانہ اور رومانہ بہت اہتمام سے تیار ہوئی تھیں۔ جیسے کسی فیشن شو میں شرکت کے لئے جا رہی ہوں، ان کے دونوں بھائی، حمید اور نوید بھی مامون کو کمپنی دے رہے تھے۔ مامون کو اپنی اس قدر پذیرائی کی وجہ بھی جلد ہی معلوم ہو گئی کیونکہ رخسانہ مجید اپنی بیٹیوں کے سلیقے کی ان کی خوبیوں کی کہانی بار بار سنا رہی تھیں اور کھانے کی میز پر انواع واقسام کے کھانے چنے دیکھ کر مامون حیران رہ گیا۔

''مامون بیٹا یہ کباب لو نا، یہ شبانہ نے خاص ترکیب سے تمہارے لئے بنائے ہیں۔'' رخسانہ مجید نے کبابوں کی پلیٹ ان کی جانب بڑھا کر کہا تو شبانہ نے بڑی ادا سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"شکریہ آنٹی!" مامون نے ایک کباب اٹھالیا۔
"یہ چکن قورمہ میری شاہانہ نے بنایا ہے، لو کھا کر دیکھو، بہت ذائقہ ہے میری شاہانہ کے ہاتھ میں۔" دوسری ڈش اس کی جانب بڑھا کر اب کی بار شاہانہ کو سراہا گیا، حالانکہ سوائے بریانی اور روٹی سلاد وغیرہ کے تمام لوازمات ہوٹل سے پکے پکائے منگوائے گئے تھے۔
"بس آنٹی! بہت کھالیا، آپ نے ناحق اتنا تکلف کیا، میں تو ابھی تازہ تازہ بیماری سے اُٹھا ہوں، پرہیزی کھانا کھا رہا ہوں، اتنی مرغن اور مصالحے دار چیزیں کھا کر تو میں پھر سے بیمار پڑ جاؤں گا۔" مامون نے ان کی نیت کو بھانپتے ہوئے ایک دم سے بیزار ہوتے ہوئے بمشکل نرم اور مہذب لہجے میں کہا۔
"لو بھلا کھانے سے بھی کوئی بیمار پڑتا ہے، صبح سے شام تک کام کرتے ہو، کھاؤ پیو گے نہیں تو طاقت کیسے آئے گی۔ اچھا لو یہ فرنی تو کھاؤ اس سے تمہاری صحت پر بُرا اثر نہیں پڑے گا۔" یہ رومانہ نے بڑے شوق سے بنائی ہے تمہارے لئے۔" رخسانہ مجید نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا اور فرنی کا ڈونگہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ مجبوراً مامون نے دو چمچ فرنی چکھ ہی لی۔
"آنٹی! تمام چیزیں تمام ڈشز بہت مزیدار تھیں۔"
"تو بیٹا لو نا تم نے تو کچھ لیا ہی نہیں۔" وہ خوش ہو کر بولیں۔
"شکریہ آنٹی میرا آپ سے وعدہ تھا اس لئے میں چلا آیا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اتنا اہتمام کرلیں گی تو میں آپ کو پہلے ہی منع کر دیتا بہر حال بہت بہت شکریہ۔" مامون نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"آپ کو سب سے زیادہ کون سی ڈش پسند آئی ہے۔" شبانہ نے پوچھا۔
"بھئی تمام ڈشز ہی بہت مزیدار تھیں کسی ایک کی تعریف کر کے میں باقی دو بہنوں کی دل

آزاری نہیں کرسکتا۔ میری تینوں بہنوں نے ہی بہت مزیدار پکوان تیار کیے ہیں شاباش۔"
مامون نے دانستہ بہنوں کا لفظ استعمال کرتے ہوئے کہا تو جہاں رومانہ کی ہنسی بے ساختہ نکلی تھی وہاں رخسانہ مجید، شبانہ اور شاہانہ کے چہروں پر اترنے والی بیزاری اور شرمساری بھی برمحل تھی۔
مامون نے ان سب کی صورتوں کو بغور دیکھا تھا اور خوب حظ اٹھایا تھا بلکہ واپسی پر اس نے بطور خاص تینوں بہنوں کی سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے دعا بھی دی تھی اور رخسانہ مجید کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔
"بیٹھے بٹھائے دو ہزار روپے کی چوٹ لگ گئی اور مامون میاں دو تین سو روپے کا کیک لا کر دو چار نوالے کھا کے جاتے ہوئے لڑکیوں کو بہنیں کہہ کر ان کے سر پر دست شفقت دھر گئے۔ خیر میں ہار ماننے والی نہیں ہوں، رانیہ کا جادو نہیں چلنے دوں گی اس پر۔" رخسانہ مجید غصے سے بولتے ہوئے کبابوں پر ہاتھ صاف کرنے لگیں۔
مامون خاصہ بیزار ہوا تھا مجید ماموں کے گھر جا کر "امجد ہاؤس" واپسی پر اس کی ساری بیزاری دور ہوگئی چونکہ اسے وہاں اپنی اولین محبت و چاہت رانیہ کی معصوم اور دلکش صورت زندگی کا احساس دلانے کے لئے موجود تھی۔ عصر کا وقت ہو رہا تھا جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا۔ رانیہ صحن میں رکھے گملوں کو پانی دے رہی تھی۔
"ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟" مامون نے اپنے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ڈالتے ہوئے اس کے پاس آکر آہستگی سے کہا۔
"دعوت پر گئے تھے انہوں نے چائے نہیں پلائی کیا؟" وہ شاور بند کر کے رکھتے ہوئے بولی۔
"انہوں نے تو میز پر انواع و اقسام کے کھانے چن رکھے تھے، مگر سچ پوچھو تو میں ڈھنگ

سے کھانا بھی نہیں کھا سکا، کچھ عجیب سی نہیں ہیں یہ رخسانہ آنٹی۔" مامون نے سنجیدگی سے بتایا۔
"پتا نہیں۔" رانیہ نے یہ کہتے ہوئے کچن کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھا تھا عین اسی وقت اس نے رانیہ کا ہاتھ تھام لیا۔
"یہ کیا حرکت ہے؟" رانیہ ایک دم سے جیسے ہوش میں آ گئی۔
"یہ محبت ہے جس کی مسیحائی کا لمس ہر تکلیف مٹا دیتا ہے۔" وہ محبت سے بولا۔
"چھوڑو میرا ہاتھ بدتمیز آدمی۔"
"یہ ہاتھ تو میں نے اب زندگی بھر تھامے رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"
"یک طرفہ فیصلہ۔" وہ سلگ کر بولی۔
"انشاء اللہ یہ فیصلہ دو طرفہ ہوگا رانی جان۔ میری ٹریننگ مکمل ہوتے ہی جاب ہو جائے گی، زبردست سیلری و دگھر اور گاڑی بھی ملے گئی۔ یہ جاب نہ بھی رہے گی تو بھی میرے نام فیکٹری ہے، گاڑی ہے، میں تمہیں بہت آرام اور راحت سے رکھوں گا۔" وہ نرم اور دھیمے لہجے میں بولتا اسے نروس کر رہا تھا۔
"مجھے اپنی دولت سے مرعوب کرنے کی کوشش مت کرو۔"
"تو اپنی محبت سے مرعوب کرنے کی کوشش کروں۔" وہ شرارت سے کہتے ہوئے بولا۔
"پیچھے ہٹو۔"
"میں پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"
"ہونہہ، بہت دیکھے ہیں تم جیسے محبت کے دعوے دار۔" رانیہ نے مذاق اڑایا۔
"میری بات سچی ہے، ایک دن تم جان لوگی، تم پر ثابت ہو جائے گا کہ میں تم سے کتنی شدید محبت کرتا ہوں۔"

''لیکن میں تم سے محبت نہیں کرتی، میں صرف اس شخص سے محبت کروں گی جس سے میری شادی ہوگی اور وہ تم نہیں ہو گے۔'' اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

''وہ شخص میرے سوا کوئی اور بھی ہرگز نہیں ہوگا، میں تمہیں کسی اور کی ہونے نہیں دوں گا، تمہاری نفرت کو اپنی محبت میں بدل کر رہوں گا۔'' وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے یقین اور اٹل لہجے میں بولا۔

''ایسا اظہار نکاح کے بعد ہی اچھا لگتا ہے مامون ضیاء۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''تو تم نکاح کے لئے تیار ہو؟'' وہ شریر ہوا۔

''شٹ اَپ!'' وہ جھلا کر بولی اور وہاں سے چلی گی۔

رات کو مامون نے اپنے موبائل فون سے اپنے گھر فون کیا اور اپنی ممی کو رانیہ کے لئے اپنی پسندیدگی کا احوال کہہ سنایا، انہیں کوئی اعتراض نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ مڈل کلاس سے تعلق رکھتی تھی۔

''ممی! آپ کا تعلق بھی تو مڈل کلاس سے تھا نا، ڈیڈی سے شادی کے بعد آپ کا اسٹیٹس ہائی ہوا ہے پھر رانیہ کے معاملے میں آپ ایسا کیوں سوچ رہی ہیں، وہ بہت شاندار اور باوقار لڑکی ہے۔ خالہ جان اور انکل بھی بہت نائس ہیں، کوئی بناوٹ، دکھاوا اور غرض شامل نہیں ہے ان کے خلوص میں، بس میں نے کہہ دیا ہے ممی میری شریک حیات صرف رانیہ ہی بنے گی، ورنہ کوئی نہیں۔ آپ کو خالہ اور انکل سے میری رشتے کی بات کرنا ہوگی۔'' مامون نے سنجیدگی سے کہا تو وہ ہار مانتے ہوئے بولیں۔

''اچھا بابا کرلیں گے تمہارے رشتے کی بات لیکن دس بارہ روز تک تو ہم بالکل فارغ نہیں ہیں، یہاں کئی شادیاں اٹینڈ کرنی ہیں، اس کے بعد انشاءاللہ تمہاری شادی کی تیاری شروع

کر دیں گے۔"

"او تھینک یو ممی آئی لو یو ممی۔" وہ خوش ہو کر بولا تو وہ ہنس پڑیں۔

"آئی لو یو مائی سن او کے اللہ حافظ۔" دوسری جانب سے فون بند ہو گیا تو مامون خوشی خوشی سونے کے لئے لیٹ گیا۔

☆......☆......☆

رانیہ کا بہت اچھا رشتہ آیا تھا، لڑکا بینک مینجر تھا، دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا، بہنیں شادی شدہ تھیں، باپ کا انتقال ہو چکا تھا، ماں حیات تھی۔ انہیں امجد علی کے دوست نے امجد علی کے گھر کا راستہ دکھایا تھا۔ امجد علی لڑکے سے مل چکے تھے، انہیں لڑکا بہت پسند آیا تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے لڑکے والوں کو گھر آنے کی اجازت دے دی تھی۔ رضیہ بیگم نے چائے کے ساتھ بہت سی چیزیں تیار کر لی تھیں، کباب اور چکن رولز تو رانیہ نے بنا لئے تھے۔ مٹھائی، کیک اور سموسے امجد علی بازار سے خرید لائے تھے۔ رانیہ نے رضیہ بیگم کی ہدایت پر نہا کر نیا جوڑا پہنا تھا۔ میرون شلوار قمیض پر چنری کا دوپٹہ بالوں کی لمبی سی چٹیا بنائے آنکھوں میں کاجل سجائے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ شام کو امجد علی جلدی گھر آ گئے تھے۔ چار بجے ان لوگوں کو آنے کا کہا تھا اور ساڑھے چار بجے کے قریب وہ لوگ "امجد ہاؤس" کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ لڑکے انور صغیر کی والدہ، دونوں بہنیں اور انور صغیر کے بڑے بہنوئی ریاض پر مشتمل یہ قافلہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ رانیہ خوشگوار احساسات، تیز تیز دھڑکتے دل اور شرم و حیا سے جھکی ہوئی نظروں میں رضیہ بیگم کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئی تو سبھی نے اسے دیکھ کر ماشاء اللہ کہا۔ رانیہ کو لڑکے کی والدہ نے اپنے پاس بٹھا لیا۔

"بھئی ہم تو منگنی کی تاریخ لے کر ہی جائیں گے۔" لڑکے کی ماں نے مسکرا کر کہا۔

''جیسے آپ کی خوشی بہن جی۔'' امجد علی نے خوش ہو کہا۔

''رانیہ کا بھائی کہاں ہے؟'' لڑکے کی ماں نے پوچھا تو وہ تینوں سٹپٹا گئے۔

''ہماری رانیہ تو چاند کا ٹکڑا ہے۔'' انور صغیر کی بڑی بہن نے رانیہ کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اوپر کر کے دیکھتے ہوئے کہا تو رانیہ نے بے اختیار ہی پلکیں اٹھا کر سامنے دیکھا تھا جہاں مامون کھڑا تھا اور اس کی حالت ایسی تھی کہ ابھی گر جائے گا۔ دروازے کی چوکھٹ کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے اس کی انگلیاں سفید ہو رہی تھیں۔ اسے اپنی آنکھوں اور سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ رانیہ نے اس کی حالت دیکھ کر شرمندگی اور گھبراہٹ سے نظریں جھکا لیں۔

''مون! آؤ بیٹا اندر آ جاؤ، اچھے وقت پر آئے، اپنی رانیہ کو دیکھنے کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں۔'' امجد علی کی نظر مامون پر پڑی تو فوراً بولے۔

''السلام علیکم!'' مامون نے اندر آتے ہوئے ان سب پر نگاہ ڈال کر مرے مرے لہجے میں سلام کیا، سب نے اسے بغور دیکھا۔

''وعلیکم السلام!'' سب نے ایک ساتھ جواب دیا۔

''یہ ہیں رانیہ کے بھائی۔'' لڑکے کی بڑی بہن نے پوچھا۔

''جی ہاں رانیہ کا خالہ زاد بھائی ہے۔ میرا بیٹا تو دبئی میں ہوتا ہے۔'' رضیہ بیگم نے بتایا اور امجد کے ذکر پر ان کا دل تو بہت دکھا تھا۔

''آنٹی ہم تو چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کریں گے بس آپ ہاں کر دیں۔'' لڑکے کی دوسری بہن نے مسکراتے ہوئے کہا تو رضیہ بیگم مسکراتے ہوئے بولیں۔

''بیٹی جو اللہ کو منظور ہماری طرف سے تو ہاں ہی سمجھو۔''

''مبارک ہو!'' وہ سب خوشی سے بولیں اور مامون کے دل کا خون کر گئیں اور وہ اپنے

آپ کو سنبھالتا کھڑا ہو گیا۔

"خالہ جان! میں ضروری فائل لینے آیا تھا مجھے دوبارہ آفس جانا ہے۔ اس لئے میں اجازت چاہوں گا۔"

"ٹھیک ہے بیٹا خیر سے جاؤ۔" رضیہ بیگم نے محبت سے کہا وہ سب کو خدا حافظ کہہ کر سیدھا اوپر اپنے کمرے میں گیا تھا۔

"آپ کا یہ بھانجا کیا یہیں رہتا ہے آپ کے ساتھ؟" لڑکے کی ماں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی نہیں! مون تو کراچی میں رہتا ہے، وہیں بزنس گھر اور فیملی ہے یہاں تو آفس کے کام کو دو چار دن کے لئے آیا ہوا ہے۔" رضیہ بیگم ان کی بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھیں سمجھداری سے بولیں۔

"اچھا!" وہ مطمئن سی ہو کر سر ہلانے لگیں۔

"پھر منگنی کی تاریخ طے کر لیں میری بیٹیوں کے سسرال والے اور شہر میں جتنے بھی رشتہ دار موجود ہیں سبھی مدعو ہوں گے چالیس کے قریب تو ہو ہی جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے، اتنے ہی مہمان ہماری طرف سے بھی ہوں گے تو پھر اگلے جمعے کی شام چھ بجے کا وقت رکھ لیتے ہیں۔" امجد علی نے کہا۔

"یہ بہت مناسب رہے گا۔ بھائی صاحب مبارک ہو۔" لڑکے کی ماں نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا تو رانیہ شرما کر وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ یہ خوشی کا موقع تھا اور وہ نجانے کیوں افسردہ ہو رہی تھی۔ اس کی نظروں میں مامون کی صورت گھوم رہی تھی۔ کیسے اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں کس قدر یاسیت اور دکھ در آیا تھا۔ وہ

بے چین سی ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔
''رانیہ تمہیں مامون سے نفرت ہے نا پھر اس کے لئے پریشان کیوں ہو رہی ہو؟'' رانیہ کے دل نے سوال کیا۔
''میں کسی کو دکھی نہیں دیکھ سکتی اپنی وجہ سے کسی کو آزردہ نہیں کر سکتی، اس کے انداز مجھے بُرے لگتے تھے، وہ بہت بے باک ہے اپنی محبت کے اظہار میں مگر پتا نہیں وہ محبت بھی تھی کہ محض وہ مجھے آزما رہا تھا، یہ امیر زادے دل لگی تو کر سکتے ہیں محبت ان کے بس کا روگ نہیں ہے لیکن مون کا میری منگنی کی خبر سن کر شاک میں رہ جانا یہ سب کیا ہے؟''
اس کے دماغ نے جواب دیا اور پھر خود ہی سوال بھی کر ڈالا وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔ مہمانوں کے جانے کے بعد رضیہ بیگم رانیہ کے کمرے میں آئیں تو بہت خوش نظر آ رہی تھیں، اسے دیکھ کر کہنے لگیں۔
''بیٹا مامون کو بھی چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو دے آؤ وہ اوپر ہی ہے اپنے کمرے میں۔''
''اماں! میں ابھی شادی نہیں کروں گی، مجھے ابھی بہت آگے تک پڑھنا ہے، ایم ایس سی کرنا ہے، کالج میں لیکچرار بننا ہے، اتنی جلدی شادی کر کے میں کچھ بھی نہیں کر سکوں گی۔'' وہ ان کے ہاتھ تھام کر بے چینی و بے قراری سے بولی۔
''بیٹا! انہیں کونسا تم سے نوکری کروانی ہے ماشاء اللہ اچھا کماتا ہے لڑکا، میاں بیوی اور ساس ہی تو ہوگی، مزے سے رہو گی اتنا اچھا رشتہ پھر نہیں ملے گا اور ضرورت کیا ہے مزید پڑھنے کی۔ بی ایس سی کر لیا ہے بہت ہے اب گھرداری سنبھالنے کی فکر کرو۔'' رضیہ بیگم نے نرمی سے سمجھایا مگر دل نہیں سمجھ رہا تھا۔ دل بے کل اور بوجھل ہو رہا تھا۔

''اماں! مجھے ڈر لگ رہا ہے پتا نہیں کیا ہونے والا ہے؟'' وہ پریشانی سے بولی دماغ میں مامون کی صورت اور باتیں گھوم رہی تھیں۔

''خواہ مخواہ کے وسوسے دل میں لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے ابا نے سب پتا کروالیا ہے، لڑکا بہت نیک اور شریف ہے۔ اچھا خاندان ہے اور کیا تم نہیں چاہتیں کہ ہم جلد از جلد تمہارے فرض سے سبکدوش ہو جائیں اور سکون سے مر سکیں۔'' رضیہ بیگم نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہ تڑپ کر بولی۔

''اللہ نہ کرے اماں، آپ کو اور ابا کو کچھ ہو ایسی باتیں نہ کریں اماں۔''

''ارے پگلی! یہاں تو تندرست انسان کی زندگی کا بھروسہ نہیں ہے اور ہم تو پھر بیمار ہیں، کیا خبر کس گھڑی بلاوا آ جائے۔ تیرے بھائی کی جدائی نے تو ہمیں ادھ موا کر کے رکھ دیا ہے۔ تجھے محفوظ ہاتھوں میں سونپ دیں گے تو تیری فکر تو ختم ہو گی اب ہمارے دل بہت کمزور ہو گئے ہیں، کوئی صدمہ برداشت کرنے کے قابل نہیں رہے۔ یہ خوشی ہی شاید دل کو سکون دے دے۔ بس تُو فکر نہ کر اللہ نے تیرا نصیب اچھا ہی لکھا ہوگا۔ میری رانیہ انشاء اللہ رانی بن کر راج کرے گی اپنے گھر پر بھی اور شوہر کے دل پر بھی۔'' رضیہ بیگم نے اسے گلے لگا کر بھیگتی آواز میں کہا تو وہ افسردگی سے مسکرادی۔

رانیہ چائے کے ساتھ چکن رولز کباب اور مٹھائی ٹرے میں رکھ کر مامون کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ اس کا اپنی منگنی کے حوالے سے ردعمل دیکھنا اور سننا چاہتی تھی اس لئے چلی آئی۔ مامون بیڈ پر نیم دراز بازو آنکھوں پر رکھے ہوئے تھا۔ رانیہ نے ایک نظر اسے دیکھا پھر ٹرے میز پر رکھی تو آہٹ سن کر مامون نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا، جانے کیا تھا اس کی آنکھوں میں کہ رانیہ جیسی مضبوط اعصاب کی لڑکی کا دل ڈوب گیا۔ وہ نظریں چرا کر

جانے لگی تو اس نے تڑپ کر پکارا۔

''رانیہ......''

اور رانیہ کے قدم خود بخود ساکت ہو گئے۔ اس نے گردن گھما کر اس کی سمت دیکھا۔ وہ بستر سے اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا اور بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مدھم اور تھکے تھکے شکستہ لہجے میں پوچھا۔

''کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیوں اعتبار نہیں کیا میرے پیار کا؟ کیوں کسی اور کے نام کی انگوٹھی پہننے کے لئے راضی ہو گئیں تم، بولو؟''

''کیونکہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے اور نہ ہی میں نے تم سے کوئی عہدِ وفا باندھا تھا جو میں تمہاری پابند ہو جاتی اور اماں ابا کے سامنے اس رشتے کا انکار کر دیتی۔'' رانیہ نے ہمت کر کے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم میری ہو رانیہ میں نے تم سے کہا تھا نا تم صرف میری ہو، ٹھیک کہا تھا اس خاتون نے کہ تم چاند کا ٹکڑا ہو، یعنی میرا ٹکڑا ہو مون کا ٹکڑا۔ حصہ ہو میرے وجود کا، میں کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا رانی، میں یہ منگنی نہیں ہونے دوں گا۔ اگر یہ منگنی ہو گئی تو ختم کرا دوں گا تمہارے ہاتھوں پر صرف میرے نام کی مہندی سجے گی، سنا تم نے، تم صرف میری دلہن بنو گی۔ کسی اور کے لئے ہاں کرنے سے پہلے سوچ لینا رانیہ علی کہ مامون ضیاء کا قتل تمہارے سر ہو گا۔'' وہ اسے شانوں سے پکڑ کر غور سے دیکھتے ہوئے بے حد سنجیدہ لہجے میں بولا تو وہ اندر سے ڈر گئی۔

''پاگل پن کی باتیں مت کرو، میں وہی کروں گی جو میرے باپ چاہیں گے۔'' وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر غصے سے بولی۔

''تمہارے ماں باپ بھی وہی چاہیں گے جو میں چاہتا ہوں میں نے ممی سے بہت دن پہلے تمہارے متعلق بات کر لی تھی۔انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے، اس رشتے پر، میں کل شام کی فلائٹ سے کراچی جا رہا ہوں۔ممی ڈیڈی کو ساتھ لے کر ہی آؤں گا اور تمہیں اپنے نام کرا کے ہی دم لوں گا۔''

''میں کوئی فیکٹری یا زمین کا ٹکڑا نہیں ہوں جو تم مجھے اپنا نام کروا لو گے۔''

''تم تو چاند کا ٹکڑا ہو۔میرے دل کا ٹکڑا ہو۔''

''سطحی جملے بولنے کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے تمہیں ایڈیٹ۔''

''وہی کچھ بولو رانیہ ڈیئر جس پر تمہیں بعد میں ندامت نہ محسوس ہو۔'' مامون نے سنجیدگی سے کہا تو وہ ''ہونہہ'' کہہ کر اسے پیچھے دھکیل کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

مامون کراچی پہنچ گیا تھا، پہلی فرصت میں اس نے سلمیٰ بیگم سے اپنی اور رانیہ کی شادی کی بات کی تو سلمیٰ بیگم نے نرم اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''چھوڑو رانیہ کو میں نے تمہارے لئے جو لڑکی پسند کی ہے اسے دیکھو گے تو وہی تمہیں اپنے سپنوں کی رانی اور شہزادی لگے گی۔''

''ممی! میری زندگی صرف رانیہ ہے، میں کسی دوسری لڑکی کو اس نظر سے دیکھنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔'' مامون نے نہایت سنجیدہ اور اٹل لہجے میں ایمانداری سے کہا۔

''اور رانیہ جو گناہ کا کھیل کھیلتی رہی ہے وہ تمہیں نظر نہیں آیا۔''

''ممی، یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' وہ سناٹے میں آ گیا۔

''میں نے تمہیں وہاں بھیج کر ہی غلطی کی، مجھے کیا پتہ تھا کہ رانیہ بیگم میرے بیٹے پر ڈورے

ڈالے گی۔ اسے اپنی اداؤں سے اپنی محبت کے جال میں پھنسا لے گی۔ بڑا لمبا اور اونچا ہاتھ مارنے کی کوشش کی ہے اس نے۔"

"ممی! اسٹاپ اٹ پلیز!" وہ غصے سے چلا اٹھا۔ "آپ کو اس معصوم اور با کردار لڑکی کے متعلق ایسی نازیبا گفتگو کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ وہ معصوم تو کئی کئی دن میرے سامنے بھی نہیں آتی۔ میں ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اس کی صورت دیکھنے کو ترس جاتا ہوں اور نہ ہی اس نے اس ڈیڑھ ماہ کے دوران مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی ہے۔ وہ تو صرف کھانے کے لئے مجھے بلانے آتی تھی، میں ہی اسے روک کر بات کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ امیر زادوں سے نفرت کرتی ہے کیونکہ اس کا بھائی بھی دولت کمانے دبئ گیا تھا اور پھر ان لوگوں کو بھول گیا۔ اُسے تو میرا اپنے گھر میں آنا اور رہنا بھی سخت ناپسند ہے، وہ بھلا مجھے کیوں ادائیں دکھائے گی۔ وہ تو اتنی معصوم اور من موہنی ہے کہ دل و روح خود بخود اس کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔ وہ مجھ سے گریز کرتی ہے۔ مجھے نظر انداز کرتی ہے۔ میری صورت سے بھی بیزار رہتی ہے ممی اور اس لئے تو وہ مجھے اور زیادہ اچھی لگتی ہے، کیونکہ اس میں لالچ نہیں ہے۔ خود غرضی اور بناوٹ نہیں ہے۔ میں اسے اپنی محبت سے جیت لوں گا۔ آپ میرے ساتھ اس کے گھر تو چلیں، بات تو کریں خالہ خالو سے۔" وہ سنجیدگی سے رانیہ کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے بولا۔

"یہی معصومیت تو اس کا ہتھیار ہے، خوب اُلو بنایا ہے اس نے تُمہیں۔ میں تمہیں ایسی چلتر لڑکی سے کبھی نہیں بیاہوں گی، محلے بھر کے لڑکوں سے تو اس کی دوستی اور دل لگی رہ چکی ہے۔" سلمیٰ بیگم نے غصے سے کہا۔

"جھوٹ ہے، یہ بکواس ہے سب، نجانے کس نے آپ کو اس معصوم کے خلاف بھڑکایا

ہے۔ پہلے جب میں نے بات کی تھی تب تو آپ راضی ہوگئی تھیں، پھر دس بارہ دن کی بجائے بیس دن ہوگئے آپ نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی یا تو آپ پہلے ہی رانیہ کو اپنی بہو نہیں بنانا چاہتی تھیں اور مجھے ٹال رہی تھیں یا پھر ضرور کسی کی باتوں میں آکر آپ اس باکردار اور بہادر لڑکی کی کردار کشی پر اتر آئی ہیں۔ معاملہ جو بھی ہے میں رانیہ سے کسی صورت دستبردار نہیں ہوں گا، یہ میرا آخری اور اٹل فیصلہ ہے۔'' وہ غصے اور جوش سے بولا۔

''دیکھا کیسا بہکایا ہے میرے بیٹے کو اس کلموہی نے۔ اب ماں کے سامنے زبان چلا رہا ہے، ماں کو جھوٹا کہہ رہا ہے اور جب اس کی منگنی طے ہو چکی ہے تو ہم کیوں بات کریں جا کر، بھول جاؤ اسے۔'' سلمیٰ بیگم نے غصے سے کہا تو اس نے دلگیر لہجے میں سوال کیا۔

''آپ بھول سکتی ہیں مجھے؟''

''کیسی بات کر رہے ہو تم میرے جگر کا ٹکڑا ہو، میں کیسے بُھول سکتی ہوں تمہیں۔'' سلمیٰ بیگم نے بے قرار ہو کر جواب دیا۔

''تو رانیہ بھی میرے دل کا ٹکڑا ہے، میری محبت ہے میں کیسے بُھول سکتا ہوں اسے۔'' مامون نے بہت جذب سے کہا۔

''اس جیسی ہزار مل جائیں گی تمہیں۔''

''ہزار ضرور مل جائیں گی مگر اس جیسی کوئی دوسری نہیں ملے گی۔''

''دیوانے ہو گئے ہو تم تو۔'' سلمیٰ بیگم مزید برہم ہو کر بولیں۔

''ہاں میں مانتا ہوں، بس آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ اور ڈیڈی میرا رشتہ لے کر رانیہ کے گھر جا رہے ہیں یا نہیں؟''

''نہیں!'' سلمیٰ بیگم نے فوراً صاف انکار کر دیا۔

"ٹھیک ہے ممی، میرا فیصلہ بھی دوبارہ سن لیجئے، رانیہ نہیں تو کوئی دوسری بھی نہیں، اب میں جانوں اور میری قسمت، آپ سے کچھ نہیں کہوں گا میں۔" مامون نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا اور باہر جانے لگا تو ضیاء الدین کو دروازے میں کھڑے پایا، وہ ان دونوں کی ساری باتیں سن چکے تھے۔ انہیں مامون کی خوشی عزیز تھی مگر جو کچھ وہ اپنی بیوی کی زبان سے سن چکے تھے اس نے انہیں بھی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔

"خدا حافظ ڈیڈی!" مامون انہیں دیکھ کر کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

"سلمیٰ بیگم آپ اس بچی رانیہ سے نہ ملی ہیں نہ اس کو قریب سے دیکھا ہے پھر آپ کیسے اسے بدکردار کہہ سکتی ہیں اور مامون گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے ان کے ہاں مقیم ہے، اس نے رانیہ کو قریب سے دیکھا ہے، وہ اسے جانتا ہے، جبھی تو وہ اس سے شادی کا خواہش مند ہے۔" ضیاء الدین نے اندر آکر سلمیٰ بیگم کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو وہ بولیں۔

"وہ تو باؤلا ہو گیا ہے، اسے تو ہر لڑکی سے پیار ہو جاتا ہے۔"

"غلط، بالکل غلط اگر ایسا ہوتا تو وہ اب تک آپ کی پسند کی جانے والی لڑکیوں سے بھی عشق فرما چکا ہوتا اور کسی سے شادی بھی کر چکا ہوتا مگر اس نے تو انہیں بغور دیکھنا بھی پسند نہیں کیا۔ مامون نے رانیہ سے محبت کا دعویٰ کیا ہے اس لڑکی میں کچھ تو ایسا ہوگا نا جو ہمارے بیٹے کے من کو بھا گئی ہے۔ سلمیٰ بیگم! بڑے بیٹے کی شادی میری بھتیجی سے ہوئی ہے اور چھوٹے بیٹے کی شادی آپ اپنی بھانجی سے کرا دیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اس طرح دونوں خاندانوں سے مستقبل میں بھی رشتہ جڑا رہے گا۔" ضیاء الدین نے نرمی سے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"لیکن میں رانیہ کو اپنی بہو نہیں بناؤں گی، مامون جذباتی ہو رہا ہے جب اس کی اصلیت

جان جائے گا تو خود ہی پیچھے ہٹ جائے گا اور رانیہ کی منگنی ہو رہی ہے، جمعے کو، ہم کیوں وہاں جا کر رنگ میں بھنگ ڈالیں۔'' سلمٰی بیگم نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

''سلمٰی بیگم! سوچ لیں جو کچھ آپ رانیہ کے متعلق کہہ رہی ہیں اگر وہ جھوٹ اور الزام ہوا تو آپ اپنے بیٹے کو کھو دیں گی۔ جانتی ہیں ناں مامون کو، اس نے آج تک ہمیں کسی معاملے میں پریشان اور شرمسار نہیں ہونے دیا کوئی ایسا کام یا فیصلہ نہیں کیا جس سے ہمارا سر جھک گیا ہو۔ وہ بہت سمجھدار اور دُھن کا پکا ہے۔ اگر اس نے کہا ہے کہ وہ رانیہ کے سوا کسی لڑکی سے شادی نہیں کرے گا تو لکھ لیجئے کہ وہ اپنے کہے پر عمل کر کے دکھائے گا تب کیا آپ اپنے بیٹے کو تنہا اور آزردہ دیکھ کر خوش رہ سکیں گی؟'' ضیاء الدین نے سنجیدگی سے کہا تو وہ لاجواب ہو کر وہاں سے اٹھ گئیں۔

مامون کو اپنی کمپنی کی طرف سے گھر کی سہولت ملی ہوئی تھی مگر وہ رانیہ کو دیکھنے کی چاہ میں ''امجد ہاؤس'' میں رکا ہوا تھا۔ اب جبکہ رانیہ کسی اور کے نام سے منسوب ہونے جا رہی تھی تو اس نے کمپنی کے گھر میں شفٹ ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ کراچی سے سیدھا لاہور ہوٹل آیا تھا اور اگلے روز اپنے گھر کی چابیاں لے کر اپنا سامان وہیں لے گیا تھا۔ ''امجد ہاؤس'' میں اس کا کچھ سامان موجود تھا لیکن وہ اس قدر دکھی اور دلگیر تھا کہ وہاں جانے کا حوصلہ نہیں کر سکا۔ اس کو اپنی ماں کی بدگمانی اور رانیہ کے متعلق رائے اور رویے نے بہت مایوس اور دل برداشتہ کر دیا تھا۔ رانیہ کو تو وہ اپنی محبت سے اپنا اسیر بنا لینے کا یقین رکھے ہوئے تھا لیکن وہ اپنی ماں کو کیسے مناتا کس طرح سمجھاتا کہ رانیہ کے متعلق ان کی سوچ غلط ہے۔ وہ خود سے رانیہ کے والدین سے اپنے رشتے کی بات بھی نہیں کر سکتا تھا کہ نہ اس کے والدین اس کے ساتھ تھے اور اب جبکہ اس کی منگنی طے ہو چکی تھی تو رانیہ کے والدین مامون کے پروپوزل اس کے ممی ڈیڈی کی

رضا مندی کے بغیر کسی صورت قبول نہ کرتے۔ یہی بے بسی کا احساس مامون کو رُلا رہا تھا۔ وہ رانیہ کو کسی اور کی ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بے قراری سی بے قراری تھی، چین، سکون، نیند، آرام، کھانا پینا سب ختم ہو گیا تھا۔

''مامون اگر رانیہ اس رشتے سے خوش ہے تو تمہیں بھی اس کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے۔'' اس کے دماغ نے اسے سمجھایا۔

''کہاں سے لاؤں میں اتنا حوصلہ اپنی محبت کو گنوا کر کیسے خوش رہ سکتا ہوں میں۔''

آج جمعہ تھا، رانیہ کی منگنی انور صغیر سے ہو رہی تھی۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا، مامون آج اپنی محبت کو دیکھنے نہیں آیا تھا۔ کیسے وہ رانیہ کے سامنے آ کر کہتا کہ وہ اکیلا رہ گیا ہے۔ اس کے ماں باپ نے اس کا فیصلہ قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ تو بڑے یقین اور مان سے رانیہ کو بتا کر گیا تھا کہ وہ اپنے ممی ڈیڈی کو لینے جا رہا ہے، وہ اسے اس کے والدین سے ہمیشہ کے لئے مانگ لیں گے، لیکن اس کا یقین اور مان تو اس کی پیاری ماں نے ہی توڑ دیا۔ وہ اپنے کمرے میں اندھیرا کیے تنہائی میں تڑپ رہا تھا۔

''مامون سنبھالو خود کو جو لڑکی تم سے نفرت کرتی ہے تم اس کے لئے خود کو روگ کیوں لگا رہے ہو؟'' دماغ نے سمجھایا۔

''نہیں وہ مجھ سے نفرت نہیں کر سکتی وہ تو کسی سے بھی نفرت نہیں کر سکتی۔ بس چڑتی ہے، میں نے بھی تو اسے خوب تنگ کیا تھا مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ میں تو اس سے ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا۔''

''امجد ہاؤس'' میں خاندان اور محلے کی عورتوں کا جمگھٹا لگا ہوا تھا۔ رخسانہ مجید بھی اپنی تینوں بیٹیوں کے ہمراہ آئی ہوئی تھیں۔ مجید ماموں بھی بھانجی کی منگنی میں خوشی خوشی شریک

تھے۔رخسانہ مجید کو تو آگ لگ رہی تھی کہ ان کی بیٹیاں بیٹھی ہیں اور رانیہ ان سے چھوٹی ہونے کے باوجود منگنی شدہ ہوگئی ہے اور وہ بھی پچیس ہزار کی تنخواہ والے اکلوتے بیٹے کا رشتہ ملا تھا اسے۔جب سے انہوں نے رانیہ کی منگنی طے ہونے کا سنا تھا تب سے وہ انگاروں پر لوٹ رہی تھیں اور ایک تیر سے دو شکار کرنے کا سوچ رہی تھیں۔منگنی کی رسم دھوم دھام سے ادا ہوئی تھی۔رانیہ گلابی شرارہ سوٹ میں بہت ہی حسین لگ رہی تھی۔ماموں کو موجود نہ پا کر اور اس کے رضیہ بیگم کی زبانی کراچی جانے کا سن کر رخسانہ مجید کو دلی مسرت ہوئی تھی۔سب مہمان کھانا کھا رہے تھے جب رخسانہ مجید رانیہ کی ہونے والی ساس بیگم صغیر کے قریب چلی آئیں جو بڑی رغبت سے بریانی اور چکن قورمہ کھا رہی تھیں۔رخسانہ مجید سے ان کا تعارف ہو ہی چکا تھا۔

''مجھے تو رانیہ کی قسمت پر رشک آ رہا ہے بہن، ورنہ ایسی لڑکی کو کوئی شریف خاندان کیوں قبول کرنے لگا۔سچ کہتی ہوں بڑا دل ہے آپ کا جو رانیہ کی لغزشوں پر پردہ ڈال کر اسے اپنی بہو بنانے جا رہے ہیں اور وہ بھی اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے۔آپ نے ایسی چالاک لڑکی پسند کی ہے خیال رکھیے گا بہن کہیں رانیہ آپ کے بیٹے کو ہی نہ لے اڑے۔''

رخسانہ مجید نے بیگم صغیر کے قریب ہو کر بہت آہستگی سے زہر اگلا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا، کیسی لڑکی ہے رانیہ؟'' بیگم صغیر کھانا بھول گئیں اور پریشان ہو کر پوچھنے لگیں۔

''میں تو آپ کے بھلے کو بتا رہی ہوں، وعدہ کریں میرا نام بیچ میں نہیں آئے گا۔سمجھا کریں ناں رشتے داری کا معاملہ ہے۔'' رخسانہ مجید نے آہستگی سے کہا تو وہ تیزی سے بولیں۔

''آپ بے فکر ہو کر بتائیں آپ کا نام نہیں آئے گا۔''

''دراصل رانیہ کا کردار اچھا نہیں ہے، محلے کے ہر لڑکے سے تو اس کا چکر چل چکا ہے۔

اب آپ تو جانتی ہیں ناں کہ یہ آج کل کے لڑکے ایسی لڑکیوں سے صرف دل لگی کرتے ہیں۔ شادی وہ کسی نیک پروین سے ہی کرتے ہیں۔ رانیہ جیسی لڑکی سے سب اپنا مطلب پورا کرنے کے بعد اپنا راستہ بدل گئے۔" رخسانہ مجید نے سازشی لہجے میں کہا۔

"آپ سچ کہہ رہی ہیں؟" بیگم صغیر کے تو پسینے چھوٹ گئے تھے۔ ان کی باتیں سن کر مرے مرے لہجے میں تصدیق چاہی۔

"خدا کو منہ دکھانا ہے بہن، میں بھلا جھوٹ کیوں بولوں گی۔ آپ سے مجھے مل کر بے حد خوشی ہوئی تھی اسی لئے بتا رہی ہوں کہ کل کلاں کو جب رانیہ کے عاشق نے رانیہ سے رابطہ کر لیا تو آپ ہی کی بدنامی ہوگی...... اور اگر رانیہ اتنی ہی باکردار اور نیک ہوتی تو میں اسے اپنی بہو بنا لیتی، خیر سے دو بیٹے ہیں میرے، مجھے رانیہ پسند بھی بہت تھی لیکن جب اس کی حرکتیں سامنے آئیں اور تصویریں دیکھیں تو میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ میں آنکھوں دیکھی مکھی کیسے نگل سکتی ہوں۔ میرے لڑکوں کے لئے رشتوں کی کمی تھوڑی ہے جو میں گناہ کی اس پوٹ کو اپنے بیٹے کے سر منڈھ دیتی۔ اسی لئے خاموش ہوگئی۔ یہ دیکھو یہ تصویر اللہ جانے کس لڑکے کے ساتھ دلہن بنی کھڑی ہے۔"

رخسانہ مجید نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت جلدی جلدی بتایا اور اپنے پرس میں سے ایک تصویر نکال کر ان کے سامنے کر دی۔ تصویر رانیہ کی ہی تھی جس میں وہ دلہن بنی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ایک دولہا بھی مونچھوں والا کھڑا مسکرا رہا تھا۔ یہ تصویر دراصل رانیہ کے کالج کے ورائٹی پروگرام کی تھی جس میں اس نے فینسی ڈریس شو میں حصہ لیا تھا۔ رخسانہ مجید کی چھوٹی بیٹی شاہانہ رانیہ سے ایک سال سینئر تھی اور کالج کی فیئر ویل پارٹی میں اس نے یہ تصویر اتاری تھی۔ رانیہ کے ساتھ جو دولہا تھا دراصل رومانہ تھی جو مردانہ لباس اور گیٹ اَپ کی بدولت پہچانی نہیں

جا رہی تھی ...... رخسانہ مجید اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھیں۔ بیگم صغیر نے اپنی بیٹیوں اور بیٹے انور صغیر کو بلا کر تصویر بھی دکھائی اور ساری بات بتانے کے علاوہ منگنی اسی وقت ختم کرنے کا فیصلہ سنا دیا جوان تینوں نے بلا تامل قبول کر لیا۔ بیگم صغیر رانیہ کے پاس گئیں جو ڈرائنگ روم میں شاہانہ اور شبانہ کے بیچ بیٹھی شرمیلے پن سے مسکرا رہی تھی۔

''لڑکی ہاتھ اِدھر لاؤ۔'' بیگم صغیر نے غصے سے کہا تو وہ تینوں انہیں حیرانگی سے دیکھنے لگیں۔ رضیہ بیگم بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''رضیہ بیگم! میں یہ منگنی ابھی اور اسی وقت ختم کر رہی ہوں۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں بہن؟'' رضیہ بیگم نے دل تھام کر حیرت وصدمے سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو رانیہ نے بھی جھٹکے سے سر اٹھایا۔

''اپنی اس بدکردار اور آوارہ لڑکی کو کسی اور بیوقوف کے سر منڈھنا، مجھے نہیں لے جانی یہ گناہ کی گٹھڑی اپنے گھر، یہ منگنی ختم ہو گئی۔'' بیگم صغیر نے سفاکی سے کہتے ہوئے رانیہ کے ہاتھ سے منگنی کی انگوٹھی اتار لی۔ تمام مہمان خواتین حیرت اور افسوس سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ رانیہ کے متعلق جو کچھ انہوں نے سنا تھا اس پر کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا اور رانیہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی گناہ گار قرار دے دی گئی تھی۔ رضیہ بیگم اور امجد علی کے لاکھ سمجھانے، روکنے اور منت وفریاد کے باوجود بیگم صغیر رکی نہیں تھیں اور اپنے بیٹے بیٹیوں اور دیگر رشتے داروں سمیت وہاں سے چلی گئی تھیں۔ ہنستے بستے گھر میں پل بھر میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔ امجد علی یہ ذلت ورسوائی بیٹی کی بدنامی اور جگ ہنسائی کا صدمہ برداشت نہ کر سکے تھے اور لڑکے والوں کے اپنے گھر پہنچنے سے پہلے ہی وہ دل کا دورہ پڑنے سے موت کی وادی میں جا پہنچے تھے۔ رانیہ نے سیاہ ماتمی لباس زیب تن کر لیا تھا۔ اسے تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ رضیہ بیگم کا رو رو کر برا حال

تھا۔ سبھی رشتے دار جو منگنی میں شریک تھے، اب امجد علی کی موت کے غم میں شریک تھے۔ رانیہ کو ہر کوئی حسب توفیق برا کہہ رہا تھا اور وہ سب کی زہر آلود دل فگار باتیں سن رہی تھی۔

"توبہ توبہ، ایسی بے حیا لڑکی جسے ماں باپ کی عزت کا بھی خیال نہ آیا، باپ کی غیرت کا جنازہ نکال دیا، رانیہ نے۔ باپ بے چارہ صدمے سے ہی مر گیا۔" ایک محلے دار عورت کہہ رہی تھی۔

"شکل اور عمل سے تو بڑی معصوم لگتی تھی ہمیں کیا خبر تھی کہ اندر ہی اندر یہ گل کھلا رہی ہے۔" دوسری عورت نے کہا۔

"ارے یہ اچھی شکل ہی برے عمل کراتی ہے۔ لڑکے والوں کا دماغ تھوڑی خراب تھا جو منگنی کرتے ہی توڑ ڈالی۔ آخر انہیں بھی تو اپنے خاندان میں منہ دکھانا تھا۔ ان کی عزت بھی تو مٹی میں مل گئی ایسی لڑکیوں کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے۔" تیسری عورت نے رائے دی۔

"ماں باپ کا قصور تو نہیں تھا۔ اتنے نیک ماں باپ کی اتنی بدکردار اولاد۔ چہ چہ چہ...... ہائے رضیہ بہن اکیلی رہ گئی امجد بھائی تو بیٹی سے پیار بھی بہت کرتے تھے اور پیار کا یہ نتیجہ دیا ہے بیٹی نے کہ ذلیل کرا کے مار دیا باپ کو ہائے ہائے۔"

ایک اور آواز رانیہ کی روح چھلنی کر گئی۔ کتنی ہی لفظوں کی انیاں، باتوں کے خنجر اور لہجوں کے نشتر اس کی روح میں پیوست ہو گئے تھے اور اسے لہولہو کر گئے تھے۔

"اگر یہ منگنی ہو گئی تو ختم کرا دوں گا، تمہارے ہاتھوں پر صرف میرے نام کی مہندی سجے گی سنا تم نے۔ تم صرف میری دلہن بنو گی۔" رانیہ کی سماعتوں میں مامون کی کہی ہوئی بات گونجی تھی اور وہ چونک کر حواسوں کی دنیا میں لوٹ آئی تھی۔ "مامون ضیاء تم نے میرے انکار کا بدلہ لے لیا ناں تم نے منگنی ختم کرانے کی دھمکی دی تھی ناں اور اپنے گھٹیا منصوبے پر عمل کر بھی دکھایا۔" رانیہ

نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تھا، اس کے قریب بیٹھی رخسانہ مجید نے اس کی بات سن لی تھی اور فاتحانہ انداز میں دل ہی دل میں مسکرا دی تھیں۔ اب مامون ضیاء اور انور صغیر دونوں رانیہ کی بدنامی کے سبب اس سے دور ہو گئے تھے اور اب رخسانہ مجید کو انہیں اپنا داماد بنانے کا مرحلہ آسان نظر آ رہا تھا، دونوں اتنے اچھے رشتے تھے وہ ہر صورت انہیں حاصل کر لینا چاہتی تھیں۔

☆......☆......☆

مامون کے موبائل کی بپ بج رہی تھی، اس نے تھکے تھکے انداز میں موبائل اٹھا کر دیکھا ہارون بھائی کا موبائل نمبر تھا۔ اس نے موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا۔

''ہیلو!''

''مامون!'' کیا بات ہے یار کب سے ممی ڈیڈی تمہیں فون کر رہے ہیں تم فون کیوں نہیں ریسیو کر رہے؟'' ہارون بھائی نے اس کی آواز سنتے ہی پوچھا۔

''خیریت ہے بھائی۔''

''خیریت نہیں ہے لو ممی سے بات کرو۔''

''ہیلو مون چندا کہاں ہو تم؟'' سلمٰی بیگم کی آواز اس کے کان میں پڑی۔

''میں ادھر ہی ہوں ممی اپنے گھر میں۔''

''کچھ خبر بھی ہے تمہیں امجد بھائی کا انتقال ہو گیا ہے۔''

''کیا؟'' مامون ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ''کک کون ممی! رانیہ کے ابا؟''

''ہاں! ان کا ہارٹ فیل ہو گیا ہے، ابھی ابھی ان کے گھر سے فون آیا تھا میں اور تمہارے ڈیڈی کل صبح تک پہنچ جائیں گے، جنازہ کل صبح دس بجے ہے۔ تم بھی وہاں جاؤ، رضیہ اکیلی ہوگی، سو کام ہوں گے کرنے والے۔'' سلمٰی بیگم نے جلدی جلدی بتایا وہ صدمے سے نڈھال

ہو گیا۔اسے رانیہ کا خیال آ رہا تھا۔ رضیہ بیگم کی شفیق صورت نگاہوں میں گھوم رہی تھی۔ امجد علی کی بے ریا محبت وعنایت دل دکھا رہی تھی۔ ”ممی، یہ سب کیسے ہو گیا آج تو رانیہ کی منگنی تھی؟“

”منگنی ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی توڑ دی گئی تھی کہ لڑکی یعنی رانیہ بد کردار ہے آوارہ ہے بس اسی صدمے سے امجد بھائی چل بسے۔ رضیہ کی نجانے کیا حالت ہو گی، بہت ذلت اور رسوائی ہوئی ہے رانیہ کی ......تم اس لڑکی کے گن گاتے تھے نا دیکھ لئے اس کے لچھن، منگنی ہوتے ہی ٹوٹ گئی اور باپ کی موت کی ذمے دار بھی وہی رانیہ ہے، لعنت ہو ایسی بیٹی پر۔“ سلمٰی بیگم طنزیہ اور تلخ لہجے میں بولیں۔

”میرا دل نہیں مانتا ممی، رانیہ ایسی نہیں ہے۔ وہ اگر کمزور کردار کی مالک ہوتی تو میری بار بار کی جانے والی پیش قدمی پر نفرت اور غصے کا اظہار نہ کرتی ......نہیں وہ ایسی نہیں ہے۔“ مامون نے پُریقین لہجے میں کہا اور موبائل آف کر دیا۔ دوسری جانب سلمٰی بیگم رانیہ کو کوس رہی تھیں جس نے ان کے بیٹے پر بقول ان کے جادو کر دیا تھا جو اس کی اس قدر ذلت و رسوائی کے باوجود اسے نیک پارسا اور باکردار سمجھے ہوئے تھا۔

امجد علی کو منوں مٹی تلے دفنا دیا گیا تھا۔ رضیہ بیگم اور رانیہ کا رو رو کر بُرا حال تھا۔ مامون نے رانیہ کو بس دور سے ہی دیکھا تھا اور اس کی حالت پر تڑپ کر رہ گیا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ اس کے سارے آنسو، سارے غم اپنے دامن میں جذب کر لیتا۔ اس نے بھی لوگوں کی زبانی رانیہ کی منگنی ٹوٹنے اور امجد علی کو دل کا دورہ پڑنے کی کہانی سنی تھی۔ یہی نہیں ہر زبان پر رانیہ کے لئے لعنت ملامت کے کلمات تھے۔ جنہیں سن سن کر مامون کا دل چھلنی ہو رہا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی یہ حالت ہے تو رانیہ کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی۔

”خدا غارت کرے اسے جس نے میری معصوم بچی پر الزام لگایا ہے۔ اللہ کی لاٹھی

بے آواز ہے، وہ ضرور میری بچی کے مجرم کو سزا دے گا۔'' رضیہ بیگم روتے ہوئے بولیں تو رخسانہ مجید نظریں چرا کر وہاں سے اٹھ گئیں۔ سلمیٰ بیگم اور ضیاء الدین سوئم کے بعد واپس چلے گئے تھے۔

دس دن ہو گئے تھے امجد علی کو رخصت ہوئے اور رضیہ بیگم رو رو کر بیمار پڑ گئی تھیں۔ نزلہ، کھانسی، بخار انہیں گھیرے ہوئے تھا۔ اسجد علی باپ کی موت پر بھی نہیں آیا تھا، اس کا صدمہ الگ تھا رضیہ بیگم کو، رانیہ کے تاریک مستقبل کے خیال نے بے موت مار دیا تھا۔ شوہر ابدی جدائی دے گیا تھا۔ بیٹا جیتے جی منہ موڑ گیا تھا اور بیٹی کا گھر آباد ہونے سے پہلے ہی برباد ہو گیا تھا۔ ذلت و رسوائی اور بدنامی کا داغ اس کی پیشانی پر لگ گیا تھا۔ رضیہ بیگم یہ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھیں کہ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو رانیہ کا کیا بنے گا؟ اسے اتنی ذلت و رسوائی کے بعد اب کون قبول کرے گا؟ اور اکیلی لڑکی کو کون چین سے جینے دے گا؟ ان کے سگے بھائی تک نے رانیہ کے کردار کی اس رونمائی کے سبب اسے اپنی ذمے داری سمجھ کر قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ رانیہ کے سامنے سب کے رویے تھے۔ اس نے ماں کو حوصلہ دینے اور دنیا کو دکھانے کے لئے خود کو سنبھال لیا تھا۔ مضبوط بنا لیا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اب اسے اکیلے ہی زندگی کی گاڑی کو کھینچنا ہے۔ لہٰذا اپنے دل اور اعصاب کو اپنے ارادوں کو مضبوط تر بنانا ہو گا۔ وہ اللہ سے مدد مانگ رہی تھی اور رضیہ بیگم بھی دن رات روتے ہوئے اللہ سے گڑگڑا کر رانیہ کے بہتر و خوشحال اور محفوظ مستقبل کی دعائیں مانگا کرتی تھیں۔

رانیہ کا بی ایس سی کا رزلٹ آؤٹ ہو گیا تھا اور اس نے پورے کالج میں ٹاپ کیا تھا۔ رضیہ بیگم یہ خوشخبری سن کر رو دیں اسے گلے لگا کر خوب پیار کیا، رانیہ اپنی سند لینے کالج جا رہی تھی، جانے سے پہلے دوپہر کے لئے کھچڑی پکا کر ہاٹ پاٹ میں رکھ دی تھی کیونکہ رضیہ بیگم بیماری کی

وجہ سے پرہیزی کھانا کھا رہی تھیں۔ رانیہ بھی وہی کھا لیتی تھی۔ اپنے لئے علیحدہ سے کچھ نہیں پکاتی تھی۔

''رانیہ......'' وہ کالج جانے کے لئے چادر اوڑھ رہی تھی کہ مامون کی آواز پر چونک کر پلٹی، سیاہ پینٹ شرٹ اور کوٹ میں ہلکی سی شیو بڑھائے وہ کچھ غمزدہ سا دکھائی دے رہا تھا۔

''رانیہ جو کچھ بھی ہوا ہے مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔''

''کیوں آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ جو کچھ بھی آپ نے چاہا وہ آپ کی پلاننگ کے تحت کامیابی سے ہو گیا۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو۔'' وہ تڑپ کر بولا۔

''میں تو ہوں ہی غلط، پوچھ لیجئے محلے میں کسی سے بھی، بلکہ شہر بھر آپ کو میرے غلط ہونے کی گواہی دے گا۔'' وہ تلخ لہجے میں بولتی اس کی بے چینی بڑھا رہی تھی۔

''مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ تم بہت معصوم اور باکردار ہو۔'' وہ دل سے کہہ رہا تھا۔

''ظاہر ہے آپ جانتے تھے جبھی تو آپ نے مجھے بدنام کیا، ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت آپ نے مجھے رسوا کیا۔ آپ کو خود تو معلوم ہی تھا نا کہ رانیہ ایک باکردار لڑکی ہے۔'' وہ اسی لہجے میں بولی۔

''تم کہیں جا رہی تھیں شاید۔'' وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

''کہاں جانا ہے آؤ میں چھوڑ دوں۔''

''آپ مجھے چھوڑ ہی دیں تو اچھا ہے مسٹر مامون ضیاء۔''

☆......☆......☆

''رانیہ! ہمیں آپ پر فخر ہے آپ نے پورے سائنس گروپ میں ٹاپ کیا ہے، اب آگے کیا ارادے ہیں آپ کے؟''

رانیہ کالج کی پرنسپل فرحت نسیم کے آفس میں ان کے روبرو بیٹھی تھی اور وہ اسے سراہتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''میڈم میں کیمسٹری میں ایم ایس سی کرنا چاہتی ہوں۔'' رانیہ نے جواب دیا۔

''ہوں ویری گڈ...... لیکن میں نے تو سنا ہے کہ آپ کی منگنی ہوتے ہی ختم ہوگئی تھی۔'' پرنسپل فرحت نسیم نے کہاں کی بات کہاں جوڑی تھی۔ رانیہ کو اندازہ تھا کہ یہ قصہ اب ہر جگہ اس کی زندگی کو متاثر کرے گا اور وہ خود کو اس قسم کے سوالات کے لئے تیار کر چکی تھی۔

''میڈم! منگنی ختم ہوئی ہے میری زندگی تو ختم نہیں ہوگئی۔ مجھے اپنے حصے کی سانسیں اسی عزم و ہمت کے ساتھ پوری کرنی ہیں جس طرح کہ جینے کا حق ہے زندگی پر۔'' رانیہ نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔

''دیٹس لائک اے بریو گرل...... مجھے یقین تھا کہ تم پر تہمت لگائی گئی ہے تم ایک مضبوط کردار اور پاکیزہ اطوار کی لڑکی ہو، تمہارے والد کی وفات کا مجھے بہت افسوس ہے لیکن تم ہمت مت ہارنا، میرے لائق کوئی کام ہو تو مجھے ضرور بتانا میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھے اندازہ ہے کہ ایسے حالات میں ایک جوان اور اکیلی لڑکی کے لئے اس معاشرے میں سروائو کرنا کس قدر مشکل ہو جاتا ہے، یہ معاشرہ قدم قدم پر ایسی لڑکیوں کو ہتک آمیز سلوک کا نشانہ بناتا ہے۔ ان پر زندگی کے دروازے بند کر دیتا ہے مگر مجھے یقین ہے کہ تم ہمت ہارنے والی لڑکی نہیں ہو، تم زندگی کو اس کے اصل رنگ میں جینے کے قابل ضرور بنا لوگی میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' پرنسپل فرحت نسیم نے سنجیدہ اور پر یقین لہجے میں اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا تو رانیہ

نے مسکرا کر دھیمے اور مہذب لہجے میں جواب دیا۔

"تھینک یو میڈم! آپ کی باتوں سے مجھے ذلت و رسوائی کے اس اندھیرے میں اُمید اور آبرو کی کرن جگمگاتی دکھائی دے رہی ہے۔ شکر ہے کہ اس معاشرے میں سب عقل کے اندھے اور کانوں کے کچے نہیں ہیں، آپ جیسے لوگوں کی موجودگی بھی غنیمت ہے اس معاشرے میں بلکہ نعمت ہے مجھ جیسے لوگوں کے لئے تو۔ تھینک یو میڈم تھینک یو ویری مچ۔"

"یو آر آل ویز ویلکم مائی چائلڈ...... اور ہاں یہ کارڈ رکھ لو۔" پرنسپل فرحت نسیم نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے پرس میں سے نکال کر اس کی جانب بڑھا دیا جو اس نے لے لیا۔

"یہ کس کا کارڈ ہے میڈم!"

"یہ میری چھوٹی بہن کا کارڈ ہے اس پر جس اسکول کا ایڈریس اور فون نمبر درج ہیں وہ اسکول میری بہن مدحت نسیم چلا رہی ہے اسے ایک سائنس ٹیچر کی ضرورت ہے تم اگر انٹرسٹڈ ہو تو میں مدحت سے بات کر سکتی ہوں، تمہارے لئے کسی سفارش کی ضرورت تو نہیں ہے، تمہارا شاندار تعلیمی کیریئر ہی تمہاری سفارش ہے۔" فرحت نسیم نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ تشکر اور حیرت سے بولی۔

"تھینک یو میڈم! لیکن یہ سکول تو اسلام آباد میں ہے اور میں یہاں لاہور میں ہوں۔"

"اوہ! مجھے خیال ہی نہیں رہا نجانے میں نے تمہیں یہ کارڈ کیوں دے دیا ہے۔ خیر رکھ لو شاید کبھی تمہارے کام آ جائے۔" وہ ہنس کر بولیں تو وہ ان کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلی آئی۔

گھر پہنچی تو رضیہ بیگم کو غائب پا کر پریشان ہو گئی۔

"اماں، اماں کہاں ہیں آپ؟" وہ چیخ رہی تھی۔

"باجی! مون بھائی آپ کی اماں کو ہسپتال لے کر گئے ہیں ان کی طبیعت بہت خراب ہو گئی

تھی۔'' محلے کے ایک بچے نے آ کر اسے بتایا۔

''یا اللہ خیر میری ماں کو کچھ نہ ہو اللہ میاں۔'' رانیہ نے بے اختیار دُعا مانگی۔

''کس ہسپتال لے کر گئے ہیں؟''

''بھائی جان کہہ رہے تھے کہ آپ کو بتا دوں۔'' اس بچے نے اسے ایک چٹ دیتے ہوئے بتایا رانیہ نے چٹ لے کر پڑھی اور بچے کا شکریہ ادا کر کے اپنی چیزیں اپنے کمرے میں الماری میں رکھنے کے بعد شولڈر بیگ میں کچھ پیسے رکھے اور ہسپتال روانہ ہو گئی۔ ہسپتال پہنچی تو مامون اسے ایمرجنسی کے باہر پریشان ٹہلتا ہوا مل گیا۔ رانیہ نے اس کے پاس پہنچتے ہی سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

''کیا ہوا ہے اماں کو، کہاں ہیں میری اماں؟''

''ایمرجنسی روم میں ہیں خالہ جان، ڈاکٹرز کے مطابق انہیں ٹائی فائیڈ، نمونیا کا اٹیک ہوا ہے۔'' مامون سنجیدہ مگر نرم لہجے میں بولا۔

''اونو......'' وہ ایک دم سے دیوار سے جا لگی۔

''ہمت سے کام لو انشاء اللہ خالہ جان ٹھیک ہو جائیں گی ان کو سانس لینے میں پرابلم ہو رہی تھی پھر بھی وہ ہسپتال نہیں آنا چاہ رہی تھیں مگر میں زبردستی لے کر آیا ہوں، ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اگر ذرا سی دیر ہو جاتی تو......''

مامون اسے ساری تفصیل بتا رہا تھا کہ اچانک اس کے چہرے کا رنگ اڑتے دیکھا تو اپنی بے نیازی کا احساس ہوا اور ایک دم سے خاموش ہو گیا۔

''اف میرے اللہ اگر آپ گھر میں نہ ہوتے تو......'' رانیہ نے خوفزدہ لہجے میں کہا وہ کبھی اسے آپ کہتی تھی تو کبھی تم مامون اس کی اس پل پل کی بدلتی عادت و کیفیت پر متحیر ہوا۔

''گھبراؤ نہیں اللہ بہتر کرے گا۔''

''تھینک یو!'' رانیہ نے تشکر سے نظریں جھکا کر کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے، وہ خالہ ہیں میری، میرا فرض ہے ان کا خیال رکھنا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تو وہ بس ایک نظر اس کے چہرے پر ڈال کر رہ گئی۔

اس کا لہجہ اور انداز بے حد پر خلوص تھا رانیہ کو شرمندگی ہو رہی تھی کہ اس نے چند گھنٹے پہلے اس کو بہت برا بھلا کہا تھا اور پھر بھی وہ اس کی ماں کو ہسپتال لے کر آیا تھا۔ اس کے لئے پریشان ہو رہا تھا اسے تسلی دے رہا تھا۔

''کہیں موصوف میری ہمدردی، توجہ اور محبت حاصل کرنے کے لئے مجھے اپنا احسان مند بنا کر حاصل کرنے کی غرض سے تو یہ نیکی نہیں کر رہے؟'' رانیہ کے دماغ نے سوال اٹھایا۔

اسی وقت ڈاکٹر ایمرجنسی روم سے باہر نکلا۔ مامون اور رانیہ اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

''ہمیں مریضہ کو ہسپتال میں ایڈمٹ کرنا پڑے گا۔ انہیں آکسیجن لگا دی گئی ہے، آپ دُعا کریں کہ وہ نارمل ہو جائیں فی الحال ہم انہیں آئی سی یو میں رکھیں گے۔'' ڈاکٹر وزیر علی نے انہیں رضیہ بیگم کی حالت سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا۔

''ڈاکٹر صاحب وہ تندرست تو ہو جائیں گی ناں۔'' رانیہ نے بے چینی سے پوچھا۔

''انشاء اللہ آپ دُعا کیجئے اور مسٹر مامون آپ میرے ساتھ آیئے۔'' ڈاکٹر وزیر علی نے رانیہ کو تسلی دینے کے بعد مامون سے کہا تو رانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا وہ اس کا شانہ تھپکتے ہوئے اسے تسلی دیتا ڈاکٹر کے ساتھ چلا گیا اور وہ اماں کی صحت و سلامتی کی دعائیں مانگنے لگی۔

''ڈاکٹر صاحب کوئی خاص بات ہے کیا؟''

مامون نے ڈاکٹر کے ساتھ ان کے کمرے میں آتے ہی سوال کیا۔

”جی ہاں! دراصل مریضہ کے پھیپھڑوں میں پانی چلا گیا ہے ان کو نمونیے کا بھی شدید اٹیک ہوا ہے، مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ کی مریضہ زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکیں گی۔“

”اوہ مائی گاڈ! یہ کیا ہو گیا ڈاکٹر ابھی تو ان کے شوہر کے انتقال کو بھی دس بارہ روز ہی ہوئے ہیں۔ان کی بیٹی وہ کیسے سہہ پائے گی یہ صدمہ؟“ مامون نے دکھ اور پریشانی سے اپنا سر پکڑ کر کہا۔

”یقیناً یہ بہت دکھ کی خبر ہے لیکن ہم ڈاکٹرز کی بھی مجبوری ہے، ہم اپنے مریض کے لواحقین کو اندھیرے میں نہیں رکھ سکتے۔“

”ڈاکٹر صاحب! آپ پلیز رانیہ کے سامنے یہ سب باتیں مت کہیے گا۔ورنہ وہ ان سے پہلے مر جائے گی۔“ مامون نے ملتجی لہجے میں کہا۔

”آپ اطمینان رکھیں، مجھے اندازہ ہے اس بات کا اسی لئے میں نے آپ کو علیحدہ بلا کر یہ بات بتائی ہے۔“ ڈاکٹر وزیر علی نے سنجیدگی سے کہا۔

”تھینک یو ڈاکٹر۔“ مامون نے اٹھتے ہوئے کہا اور واپس رانیہ کے پاس آ گیا۔

”کیا کہا ڈاکٹر نے؟“ رانیہ نے بے قراری سے پوچھا۔

”کچھ نہیں وہ ہسپتال کے بل وغیرہ کی بات کر رہے تھے کمرہ بک کرانا ہو گا خالہ جان کے لئے۔“ مامون نے فوراً بہانہ بنایا۔

”کتنا خرچہ ہو گا؟“ رانیہ نے سوال کیا۔

”جتنا بھی خرچہ ہو گا بل میں پے کروں گا تم فکر نہ کرو۔“

”آپ کیوں پے کریں گے؟“

”کیونکہ وہ میری خالہ ہیں اور وہ مجھے اپنا بیٹا کہتی اور سمجھتی ہیں اور ایک بیٹے کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ماں کے علاج پر خرچ کرے یہ میرا اور خالہ جان کا معاملہ ہے تمہیں اس معاملے میں

شکوے گلے کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

وہ لاجواب ہوگئی۔

رانیہ نے مجید ماموں کو فون کر کے رضیہ بیگم کی حالت سے آگاہ کر دیا تھا وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ کچھ دیر کے لئے انہیں دیکھنے آئے تھے۔ رضیہ بیگم کو ریکوی روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔

"رانیہ تو ڈائن ہے ڈائن، پہلے اپنے باپ کو کھا گئی اور اب ماں کو موت کے دہانے پر لے آئی ہے۔ ہائے ہائے ابھی تو امجد بھائی کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور ان کی بیوہ بھی مرنے کو پڑی ہے۔" رخسانہ مجید نے دہائی دیتے ہوئے کہا رانیہ کا دل پاش پاش ہوگیا۔ ماموں کمرے میں آتے آتے ان کی باتیں سن کر دروازے پر رک گیا تھا۔

"رخسانہ! چپ کرو بچی پہلے ہی بہت پریشان ہے تم مزید پریشان مت کرو اسے، اس کا کیا قصور ہے اس میں؟" مجید ماموں نے کہا۔

"تو اور کس کا قصور ہے اس سے پوچھیں ذرا اپنی بھانجی سے کہ بیگم صغیر نے اسے آوارہ اور بدکردار کہتے ہوئے آدھے گھنٹے کے اندر اندر منگنی کس کے کہنے پر توڑ دی تھی۔ ایک دم سے ان پر اس کی اصلیت کیسے ظاہر ہوگئی تھی؟" رخسانہ مجید نے تلخ لہجے میں کہا۔

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے دُعا کرو کہ رضیہ بہن تندرست ہو جائے۔" مجید ماموں نے سختی سے انہیں ٹوک کر کہا۔ رضیہ بیگم بظاہر سو رہی تھیں مگر ان کی باتیں سن رہی تھیں۔ جان بوجھ کر سوتی بن گئی تھیں۔ انہیں اپنی رانیہ کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

"تندرست ہو کر کونسی خوشی ملنی ہے اس بے چاری کو، بیٹی نے سہاگ بھی چھین لیا اور ان کی آبرو بھی خاک میں ملا دی، ایسے میں بھلا کوئی ماں تندرست ہو سکتی ہے۔ یہ تو آزاد ہو جائے گی

کہ ماں باپ کوئی بھی روکنے ٹوکنے کو موجود نہیں ہے پھر جہاں چاہے گی اور جس کے ساتھ چاہے آوارہ پھرے گی۔"

"بس کریں مامی! آپ بھی بیٹیوں والی ہیں، کیوں کسی کی بیٹی کو الزام دے رہی ہیں، اس کی ساری زندگی آپ کے سامنے گزری ہے، پھر بھی آپ اس کے کردار کو داغدار کر رہی ہیں، بڑے افسوس کی بات ہے۔" مامون سے جب ضبط نہ ہوا تو اندر داخل ہوتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ رانیہ نے نفرت سے اسے دیکھا تھا اور دل میں کہا تھا۔

"خود ہی مجھے بدنام اور رسوا کیا ہے اور اب خود ہی میرے حق میں بول کر میری نظروں میں معتبر بننے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"مامون بیٹا، سارا شہر یہی بات کہہ رہا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی صداقت تو ہوگی نا۔" رخسانہ مجید نے اپنی شرمندگی مٹانے کو نرمی سے کہا تو وہ غصے سے بولا۔

"کیا ثبوت ہے آپ کے پاس، یا شہر بھر کے پاس رانیہ کی آوارگی اور بے حیائی کا بتائیں مجھے، دکھائیں مجھے؟"

"خاموش ہو جائیں آپ لوگ" رانیہ چیخ اٹھی۔ "آپ میری ماں کی تیمارداری اور عیادت کے لئے آئے ہیں یا ہمارے زخموں پر نمک چھڑکنے اور نئے زخم لگانے آئے ہیں۔ میرے کردار پر انگلی اٹھانے والے اور بات کرنے والے اپنے کردار کا جائزہ تو لے لیں۔ مجھے کسی کے سامنے اپنی صفائی پیش نہیں کرنی اور مسٹر مامون ضیاء مجھے آپ کی گواہی کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں کہ میں کس کردار کی مالک ہوں، اس لئے مجھے کسی کی رائے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو میری پاکبازی کی گواہی دینے یا میرے حق میں بولنے کی اور ماموں آپ! مجید ماموں آپ کیسے بھائی ہیں کہ اپنی بہن سے دو بول تسلی کے

بھی ڈھنگ سے نہ بول سکے۔ آپ کی بھانجی آپ پر بوجھ نہیں بنے گی ماموں، بے فکر ہو جایئے۔ مجھے اپنا بوجھ اٹھانا آتا ہے۔"

رانیہ نے سب کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا تو وہ شرمندہ سے ایک ایک کر کے کمرے سے باہر چلے گئے۔ ماموں وہیں کھڑا رہا اور رانیہ کا چہرہ تکتا رہا جو غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حالات و واقعات اور پے در پے ملنے والے صدمات نے اسے غصیلا، چڑچڑا اور گستاخ بنا دیا ہے، اسی لئے وہ اس کی کسی بات کا بُرا نہیں مناتا تھا۔ الٹا اس کے لئے پریشان رہتا تھا۔

"آپ بھی چلے جایئے۔" رانیہ نے ماموں کو کھڑے دیکھ کر سختی سے کہا۔

"میرے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے رانی۔" وہ بے بسی سے بولا۔ اس کے لہجے میں کچھ تھا جس نے رانیہ کے دل میں طوفان بپا کر دیا تھا۔

"رانیہ......" رضیہ بیگم نے آنکھیں کھول کر اسے پکارا۔

"جی اماں! کیسی طبیعت ہے اب آپ کی" وہ دوڑ کر ان کے قریب چلی آئی۔

"رانی میری بچی مجھے لگتا ہے کہ...... میرے پاس زیادہ...... وقت نہیں ہے۔"

"اماں! مت کریں ایسی باتیں، مجھے کس کے سہارے چھوڑ کر جائیں گی؟" وہ روتے ہوئے بولی اور ان کا ہاتھ تھام کر چہرے سے لگالیا۔

"میری آخری بات مانے گی رانی؟"

"اماں! آپ حکم کریں...... جو کہیں گی میں مانوں گی، بس مجھ سے مرنے کی باتیں مت کریں۔" وہ روتے ہوئے تڑپ کر بولی۔

"مجھے تیری فکر ہے رانی تُو...... اکیلی کیسے جئے گی، دیکھ یہ میری وصیت بھی ہے...... اور

آخری خواہش بھی وعدہ کر میری وصیت، خواہش، پوری کرے گی۔ کرے گی نا!'' رضیہ بیگم نے ٹھہر ٹھہر کر اٹک اٹک کر اپنی بات مکمل کی۔

''ہاں اماں میں وعدہ کرتی ہوں آپ جو کہیں گی، میں پورا کروں گی آپ کی بات، آپ کی خواہش، میں پوری کروں گی اماں۔'' وہ روتے ہوئے بولتی مامون کے دل پر خنجر چلا رہی تھی۔

''چاند بیٹا۔'' رضیہ بیگم نے مامون کی طرف دیکھا۔

''جی خالہ جان!'' مامون نے ان کے بیڈ کے قریب آ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''بیٹا! اپنی مرتی ہوئی خالہ کی ایک بات مانو گے۔''

''آپ کہیئے تو خالہ جان!'' وہ خلوص سے بولا۔

''مون میرے چاند، میری رانیہ کو اپنا لو اسے اپنا نام دے دو۔ یہ تمہارا بہت بڑا احسان ہوگا اپنی خالہ پر۔'' رضیہ بیگم نے پھولی ہوئی سانسوں کے بیچ اپنی خواہش بیان کی تو مامون پر تو جیسے شادی مرگ طاری ہوگئی اور رانیہ وہ حیرت اور بے بسی سے بولی۔

''اماں! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

''دیکھ تُو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اب مکرنا نہیں، مجھے چین سے مرنے دے میری بچی۔'' رضیہ بیگم نے دکھ سے کہا۔

''اماں!'' وہ رونے لگی۔

''مون بیٹا! کیا سوچنے لگے، کہیں تم بھی تو رانیہ کے نام سے منسوب رسوائی سے خوفزدہ تو نہیں ہو گئے اسے......''

''نہیں خالہ جان! رانیہ میرے لئے بہت مقدس، معصوم اور معتبر ہستی ہے، میں اسے بہت خوش رکھوں گا انشاءاللہ!'' وہ ان کی بات کاٹ کر نرمی سے بولا تو انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

"جیتے رہو بیٹا، اللہ تمہیں ہر سکھ اور خوشی نصیب کرے۔ بیٹا مون مجھے...... معاف کر دینا چاند! تم بھی کیا سوچتے ہو گے کہ کیسی خودغرض اور مطلبی خالہ ہے اپنا مطلب پڑا تو تمہیں رانیہ کا بھائی بنا دیا...... اور اب مطلب پڑا ہے تو شوہر بننے کا کہہ رہی ہے۔" رضیہ بیگم خوشی سے روتے ہوئے بولیں۔

"خالہ جان! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ، آپ نے تو مجھ پر احسان کیا ہے، میں تو خود رانیہ کا ہاتھ مانگنا چاہتا تھا لیکن آپ لوگوں نے جب اس کی منگنی طے کر دی تو مجبوراً مجھے خاموش رہنا پڑا اور نہ میں نے تو ممی سے بات بھی کر لی تھی، ہماری قسمت میں شاید اسی طرح ملنا لکھا تھا، آپ کی رانیہ کو میں بہت خوش رکھوں گا، بس آپ بتائیں کہ کیا کرنا ہے، کب کرنا ہے۔" مامون نے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے بتایا تو وہ نہال ہو گئیں۔

"بیٹا! کیا تم آج ہی رانیہ سے نکاح کر سکتے ہو، یہاں میرے سامنے؟" انہوں نے اس کے سہارے سے اٹھتے ہوئے پوچھا تو مامون نے پیار بھری نظروں سے رانیہ کو دیکھا جو اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

"خالہ جان! اطمینان رکھیں میں تھوڑی دیر میں سارا انتظام کر کے آتا ہوں۔" وہ خوشی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"رانیہ، ادھر دیکھ میری رانی۔" رضیہ بیگم نے اسے پیار سے بلایا۔

"جی اماں!" وہ ان کے قریب آ گئی۔

"وہ جو میرا صندوق ہے جا منی کو روالا۔ اس میں تیرے کچھ جوڑے رکھے ہیں تیرے جہیز کے لئے بنوا کے رکھے تھے۔ اس میں میرون اور سنہری سوٹ نکال کر نہا کے پہن لینا، میں تجھے پوری طرح تو دلہن بنے نہیں دیکھ سکوں گی لیکن آدھی تیاری تو اتنی جلدی میں ہو ہی جائے گی اور

مون بیٹا...... اس کے ہاتھوں پر مہندی ضرور لگوانا...... اسے ابھی اپنے ساتھ لے جاؤ بازار سے مٹھائی وغیرہ خرید لینا، پیسے رانیہ دے دے گی۔" رضیہ بیگم نے خوشی خوشی ہدایات دیں۔

"خالہ جان! پیسے ہیں میرے پاس، آپ بس اپنا خیال رکھیں میں دو ڈھائی گھنٹے میں سارا انتظام کر لوں گا اور نرس یہاں آپ کے پاس آن ڈیوٹی ہوگی، کسی چیز کی ضرورت ہو، کوئی مسئلہ ہو تو فوراً نرس کو بتا دیجئے گا۔ چلیں رانیہ۔" مامون نے رضیہ بیگم کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا اور جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ رانیہ نے رضیہ بیگم کی طرف دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا کر گویا اسے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اپنی چادر اوڑھ کر آنسو صاف کرتی ہوئی اس کے ساتھ چلتی ہوئی باہر اس کی گاڑی میں آ بیٹھی۔ وہ اس وقت صرف اپنی اماں کی آخری خواہش اور آخری وصیت پر سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔ وہ اپنی زندگی سے اس قدر مایوس لگ رہی تھیں، وہ پھر سے رو پڑی۔

"رانیہ! سنبھالو خود کو۔" مامون نے گاڑی چلاتے ہوئے اسے فکرمندی سے دیکھ کر کہا تو وہ روتے ہوئے آنسو پونچھنے لگی۔

"کیا ہوا ہے اماں کو، وہ ایسی مایوسی کی باتیں کیوں کر رہی ہیں، آپ مجھے بتاتے کیوں نہیں ہیں؟"

"جس لڑکی کے سر پر باپ بھائی موجود نہ ہوں اس کی بیمار ماں کو اس کی فکر تو ہوتی ہی ہے ناں۔ انشاء اللہ تندرست ہو جائیں گی۔" مامون نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اسے اصل بات بتا کر مزید ہلکان اور پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

پھر اسی شام عصر کے بعد رانیہ اور مامون کا نکاح ہسپتال کے اس پرائیویٹ روم میں ہو گیا جس میں مجید ماموں، ان کا بیٹا حمید اور مامون کے دو قریبی دوست یاسر اور سلمان بطور گواہان

شریک ہوئے۔ رضیہ بیگم نے خوشی سے رانیہ اور مامون کا ماتھا چوم لیا۔ مہمانوں کو مٹھائی اور چائے پیش کی گئی۔ سبھی انہیں مبارکباد دینے کے بعد چلے گئے۔ مامون سفید شرٹ اور براؤن رنگ کے پینٹ کوٹ میں ملبوس تھا اور رانیہ میرون کامدار شلوار قمیض دوپٹے میں میچنگ چوڑیاں اور مہندی سے سجے ہاتھوں میں گجرے پہنے بے حد دلنشین لگ رہی تھی۔ مامون نے اس کی اور اپنی کئی تصاویر کھینچ لی تھیں۔ رانیہ قدرت کے اس کھیل پر حیران و پریشان بیٹھی تھی کہ جس شخص سے وہ نفرت کرتی تھی، جس کی محبت کو روزِ اوّل سے ٹھکراتی آئی تھی، آج تقدیر نے، حالات کی سنگینی اور مجبوری نے اسی شخص کو اس کی زندگی کا ساتھی، جملہ حقوق کا مالک بنا دیا تھا۔ وہ اس مرحلے سے گزرنے کے بعد خالی دل اور خالی آنکھوں کے ساتھ سر جھکائے بیٹھی تھی اور مامون اسے بہت پیار سے دیکھ رہا تھا۔ وہ پُر یقین تھا کہ وہ اپنی محبت سے رانیہ کی نفرت اور بے رُخی کو ختم کر دے گا اور اس کی محبت اس کا نصیب ضرور بن جائے گی۔

''رانیہ بیٹی! مامون ادھر آؤ چندا میرے پاس۔'' رضیہ بیگم نے دونوں کو اپنے پاس بلایا تو وہ ان کے سامنے دائیں بائیں آ بیٹھے۔ رضیہ بیگم نے دونوں کے ہاتھ پکڑ لئے اور رانیہ سے کہنے لگیں۔

''رانیہ بیٹی! مامون اس چودھویں کے چاند کو خوش رکھنا، بیٹی، یہ بہت محبت کرنے والا بچہ ہے اس کی قدر کرنا۔''

''کتنی پیاری بات کہی ہے خالہ جان نے اسے اپنی گرہ سے باندھ لو رانیہ مامون۔'' مامون نے شوخ لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے غصے سے منہ پھیر لیا۔

''دیکھ لیجئے خالہ جان، آپ کے سامنے ہی یہ مجھ سے منہ پھیر رہی ہے۔ بعد میں پیچھے نجانے کیا کرے گی؟'' مامون نے معصوم سا شکوہ کیا۔

”رانیہ! تم نے سنا! میں نے کیا کہا ہے ابھی؟“ رضیہ بیگم نے اس سے کہا۔

”اماں! کچھ نہیں ہوتا آپ کے اس چاند کو...... ایک دم سے شکایتیں لگانی شروع کردی ہیں۔“ رانیہ نے غصے سے مامون کو دیکھ کر کہا تو وہ ہنس پڑا۔

”رانی بیٹی! یہ تو پیار میں کہہ رہا ہے...... ایک دوسرے کی قدر کرنا...... میں بہت خوش ہوں آج...... اب مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے...... مجھے یقین ہے...... اطمینان ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا ہاتھ ایک مخلص اور محبت کرنے والے شخص کے ہاتھ میں دیا ہے...... اللہ تم دونوں کو ایک دوسرے کی راحت اور مسرت کا باعث بنائے۔ سدا شاد آباد رکھے میرے بچو۔“ رضیہ بیگم نے رانیہ کا ہاتھ مامون کے ہاتھ میں دیتے ہوئے دل سے دُعا دی۔

”آمین!“ مامون نے دل سے کہا اور رانیہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا جو اس نے بمشکل چھڑایا اور رخ پھیر کر وہاں سے اُٹھ گئی۔ مامون کو ہنسی آ گئی۔

”مامون بیٹا...... میرے پاس نرس موجود ہوگی...... تم رانیہ کو گھر لے جاؤ صبح آ جانا۔“ رضیہ بیگم نے جانے کس خیال سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو رانیہ ٹپٹا گئی، وہ تو پہلے ہی اتنا بے باک تھا اب تو نکاح ہو گیا تھا، بھلا اب وہ کیسے باز رہ سکتا تھا اپنی محبت کے عملی اظہار سے۔

”اماں! میں آپ کے پاس رہوں گی۔“ رانیہ نے فوراً کہا۔

”آج نہیں...... آج رات تمہیں مامون کے ساتھ رہنا ہے اپنے شوہر کے پاس جاؤ شاباش۔“ رضیہ بیگم کا لہجہ اور جملہ معنی خیز تھا وہ بلش ہو گئی۔ مامون مسکراتے ہوئے شوخ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”مگر اماں......“

”رانی! اپنی اماں کی بات ماننے کا وعدہ کیا تھا تُو نے اتنی جلدی بھول گئی۔“ رضیہ بیگم نے

یاد دلایا۔

"ٹھیک ہے اماں جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

"خوش رہ میری بچی سدا سہاگن رہ۔" رضیہ بیگم نے محبت سے اس کی پیشانی چوم لی اور وہ مامون کے ساتھ باہر نکل آئی۔

مامون بہت خوش تھا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اُسے اُس کی محبت مل گئی ہے اس کے برابر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ براجمان ہے، اس نے راستے میں ہوٹل سے کھانا پیک کروایا اور "امجد ہاؤس" آ گئے دونوں۔ رانیہ کو اس وقت بھائی اور باپ بے طرح یاد آ رہے تھے۔ وہ قدرت کی ستم ظریفی پر اشک بہا رہی تھی۔ اس کی شادی کیسے حالات میں ہوئی تھی اور وہ بھی اس شخص کے ساتھ جسے وہ انکار کر چکی تھی۔ وہ جتنی ناخوش تھی مامون اتنا ہی خوش تھا۔

"آپ رات یہیں رہیں گے کیا؟" رانیہ نے اپنے ساتھ آتے دیکھ کر پوچھا۔

"ظاہر ہے یہ ہماری شادی کی پہلی رات ہے، جو شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ گزارنی چاہئے۔ خالہ جان نے کچھ سوچ کر ہی تمہیں میرے ساتھ بھیجا ہے ناں۔ یقین جانو رانیہ آج میں بہت خوش ہوں، میری محبت مجھے مل گئی ہے۔" وہ شوخ و شریر لہجے میں جواب دیتا اس کے قریب آ گیا۔

"لیکن میں خوش نہیں ہوں۔" وہ بے رحمی سے بولی۔

"تم نے یہ شادی اپنی مرضی سے کی ہے۔"

"میں آپ کی مرضی اور محبت ہو سکتی ہوں لیکن آپ میری مرضی اور محبت نہیں ہیں۔ آپ صرف میری ماں کی وصیت اور خواہش ہیں بس۔" رانیہ نے سنگدلی سے اس کے جذبات کا خون کرتے ہوئے کہا۔

”ادھر آؤ...... ذرا دیکھوں تو سہی تمہارے سینے میں دل کی جگہ کہیں پتھر تو نہیں جڑا ہوا۔“ مامون نے اسے بازو سے پکڑ کر قریب کرتے ہوئے کہا اور اس کے دل پر ہاتھ رکھ دیا وہ تو بری طرح سٹپٹا گئی۔

”کیا ہے؟“ وہ اس کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش میں بچوں کی طرح چڑ کر بولی تو وہ مسکراتے ہوئے گنگنایا۔

”پیار ہے یہی تو پیار ہے۔“

”لیکن مجھے کوئی پیار نہیں ہے آپ سے۔“ وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر غصے سے بولی۔

”تو ہو جائے گا میری جان! تمہارا یہ دل جو نفرت سے بھرا ہے ناں ایک دن مامون ضیاء کی محبت اور چاہت سے اس کے پیار سے بھرا ہو گا اور تم اس کے ساتھ، اس کے قرب کی تمنا میں بے قرار ہونے لگو گی۔“ وہ اس کے کانوں میں پیار بھری باتیں کس یقین سے کہہ رہا تھا اس نے حیرت سے اس کا وجیہہ چہرہ دیکھا۔

”تم کو آتا ہے پیار پہ غصہ، مجھ کو غصے پہ پیار آتا ہے۔ بیٹھ جاؤ۔“ مامون نے مسکراتے ہوئے اسے بیڈ کے کنارے پر بٹھا دیا اور خود بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا اور اپنے کوٹ کی جیب میں سے سونے کے دو کنگن نکال کر اس کے دائیں ہاتھ میں پہنا دیئے۔

”یہ تمہاری رونمائی کا تحفہ ہے۔ تم اصلی دلہن کی طرح تیار تو نہیں ہوئیں لیکن تمہارا یہ سادہ سا روپ بھی بہت دلنشین ہے۔ میرے نام کی مہندی کا رنگ کتنا گہرا اور سُرخ ہے ناں رانیہ۔ جو میرے پیار کی سچائی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آئی لو یو رانیہ آئی ریئلی لو یو۔“ مامون بے خودی کے عالم میں کہتا ہوا اس کے مہندی سے رچے ہاتھوں کو سونگھ رہا تھا۔

”آپ جائیں یہاں سے۔“ رانیہ کھڑی ہو کر بولی۔

''آج کی رات تو میں کہیں نہیں جانے والا، اوپر میرے کمرے میں میرے شلوار سوٹ ہوں گے وارڈروب میں ایک نکال کر لا دو، میں کپڑے چینج کر کے یہیں سوؤں گا۔'' وہ اس کی بے حسی پر بھی مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''خود ہی جا کر لے آئیں میں اتنی رات کو اندھیرے میں اوپر نہیں جاؤں گی۔'' رانیہ نے فوراً جواب دیا تو وہ ہنس پڑا۔

''ابھی تو تم مجھے یہاں سے جانے کا کہہ رہی تھیں اور اب خود اپنے گھر کے حصے میں جاتے ہوئے ڈر رہی ہو۔''

''آپ کو کیا تکلیف ہے؟'' وہ جھلا کر بولی۔

''مجھے تکلیف یہ ہے کہ تم اتنی حسین رات ضائع کر رہی ہو، کتنے خواب دیکھے تھے میں نے اس رات کے دیکھو باہر چاند نکلا ہوا ہے ساری دنیا کے لئے اور اندر یہ چاند صرف تمہارے لئے نکلا ہے تمہیں اپنی چاندنی میں نہلانا چاہتا ہے اور تم۔''

وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا اور حسرت و یاس سے اس کے چہرے کو تکنے لگا۔ وہ ٹپٹا گئی اور نظریں چرا کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ جو کھانا لایا تھا رانیہ نے برتنوں میں نکال کر ٹرے میں سجایا اور اپنے کمرے میں لے گئی جہاں مامون براجمان تھا۔ رانیہ نے ٹرے میز پر رکھ دی۔

''کھانا کھا لیجئے۔''

''تم بھی میرے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''کھانے کی بھوک بھی نہیں ہے۔'' مامون کا جملہ اور لہجہ معنی خیز تھا۔ وہ شرم سے کٹ کر رہ گئی اور کمرے سے باہر نکل آئی۔

"رانیہ...... ایسا مت کرو ورنہ میرے ساتھ تم خود کو بھی اذیت میں مبتلا کیے رکھو گی۔"
مامون نے ایسے کہا جیسے وہ اس کے سامنے موجود ہو اور پھر بے دلی سے کھانا کھانے لگا۔ رانیہ، رضیہ بیگم کے کمرے میں سونے کے لئے آ گئی تھی مگر اسے ایک پل کو بھی نیند نہیں آئی تھی۔ وہ اسجد کے لئے، اماں اور ابا کے لئے روتی رہی تھی۔ مامون کی محبت کی اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس نے بدگمانیوں اور نفرتوں کے جالے اپنے اردگرد بن لئے تھے جہاں مامون کی بے لوث و بے ریا محبت میں پھنس کر الجھ کر رہ گئی تھی۔
فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ تیار ہو کر کچن میں آ گئی۔ رضیہ بیگم کے لئے دلیہ اور چائے بنا کر فلاسک میں ڈالی۔ خود حسب معمول دودھ کا ایک گلاس نیم گرم کر کے پیا اور مامون کے لئے اس کا مرغوب ناشتہ پراٹھا اور فرائی انڈے بنا کر چائے کے ساتھ ٹرے میں رکھ کر اس کے کمرے میں لے آئی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بال سنوار رہا تھا۔ رانیہ ٹرے میز پر رکھ کر جانے لگی تو مامون نے کہا۔
"تم نے ناشتہ کر لیا رانیہ۔"
"جی میں نے دودھ کا گلاس پی لیا ہے۔"
"دودھ کے ایک گلاس سے بھوک نہیں مٹے گی، آؤ بیٹھ کر ناشتہ کرو تم نے رات بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ اپنی صحت خراب کر کے تم اماں کا خیال کیسے رکھ پاؤ گی؟"
"مجھے جب بھوک ہو گی میں کھا لوں گی آپ میری فکر نہ کریں۔"
"تمہاری فکر اب مجھ ہی کو کرنی ہے بیٹھو شاباش بسم اللہ کرو۔ کھانے پینے کے معاملے میں تمہاری کوئی مرضی نہیں سنوں گا، لو منہ کھولو۔" مامون نے اسے کندھوں سے پکڑ کر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ دیا اور زبردستی نوالہ بنا کر اس کے منہ میں دے دیا۔ وہ جانے کیوں رونے

لگی۔ مامون نے اس کے آنچل سے اس کے آنسو صاف کیئے۔
''یہ آنسو بہت قیمتی ہیں رانی! انہیں بچا کر رکھو، ابھی انہیں بہانے کا وقت نہیں آیا۔''
''کیا مطلب؟'' آپ کچھ چھپا رہے ہیں مجھ سے بتائیں ناں، اماں کو کیا ہوا ہے؟'' وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولی۔
''آرام سے ناشتہ کرو پھر ہسپتال اماں کا ناشتہ لے کر بھی جانا ہے اور تم کیا ساری رات جاگتی رہی ہو؟'' مامون نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بچھے سرخ لکیروں کے جال کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''جی!''
''مجھے تو کوئی فائدہ نہیں ہوا نا تمہارے جاگنے گا۔'' مامون کا معنی خیز جملہ اسے حیا آمیز کوفت میں مبتلا کر گیا۔
''میں خالہ جان سے تمہاری شکایت کروں گا کہ آپ نے اپنی بیٹی کو میرے ساتھ رخصت کر دیا تھا لیکن آپ کی بیٹی تو مجھے اپنے قریب بھی نہیں بھٹکنے دیتی۔'' وہ شریر لہجے میں بولا۔
''یہ بات آپ اماں سے کہیں گے؟'' رانیہ نے شرم سے پانی پانی ہو کر کہا۔
''بالکل!'' اس نے پراٹھے اور انڈے سے انصاف کرتے ہوئے کہا۔
''شرم کریں۔''
''میں بھی اگر تمہاری طرح شرم ہی کرتا رہا ناں تو بے اولاد رہ جاؤں گا میرا خاندان میری نسل کیسے آگے بڑھے گی؟'' وہ مزید شریر ہوا تھا۔
''فضول باتیں کرنے کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے آپ کو۔'' وہ غصے اور شرم سے کھڑی ہو گئی اور تیز لہجے میں بولی۔

"آتا ہے، بہت کچھ آتا ہے تم اگر پاس آنے کی اجازت دو تو میں عملی ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔" مامون نے اس کے غصے اور حیا سے لال ہوتے چہرے کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ غصے سے جواب دیتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ مامون کا شوخ و شریر قہقہہ اسے مزید تپا گیا تھا۔

وہ دونوں ہسپتال پہنچے تو رضیہ بیگم ان کی منتظر تھیں۔ انہیں دیکھ کر خوشی سے مسکرا دیں، رانیہ نے بے اختیار نگاہ اٹھا کر مامون کو دیکھا اور پھر نگاہ جھکا لی۔ مامون نے اس کی خاموشی دیکھ کر انہیں جواب دیا۔

"خالہ جان! یہ میرے ساتھ خوش نہیں ہے۔"

"کیا؟" رضیہ بیگم کے ساتھ رانیہ نے بھی بوکھلا کر اسے دیکھا۔

"جی ہاں! یہ میرے ساتھ خوش نہیں ہے بلکہ بہت زیادہ خوش ہے۔" مامون نے بڑی خوبصورتی سے بات بنائی تو رانیہ کی جان میں جان آئی۔ رضیہ بیگم بھی خوش ہوئیں۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے اب میں سکون سے مر سکوں گی، اللہ تم دونوں کو ہمیشہ شاد آباد رکھے تندرست رکھے۔" رضیہ بیگم نے دل سے انہیں دُعا دی۔ مامون نے اس بار بھی دل سے آمین کہا تھا۔

"تم نے اپنی اماں کی وصیت اور خواہش پر مجھ سے یہ پیپر میرج کر ہی لی ہے تو چند روز ان کے سامنے اس شادی سے خوش ہونے کی ایکٹنگ تو تمہیں کرنا ہی ہوگی ورنہ انہیں تمہارے محفوظ مستقبل کی فکر پریشان کیئے رکھے گی۔" مامون نے کمرے سے باہر آ کر رانیہ سے نہایت ہی سنجیدہ لہجے میں کہا اور رضیہ بیگم کے کسی کام سے چلا گیا۔

"چند روز......" رانیہ اس کے اس لفظ پر اٹک کر رہ گئی تھی۔ رضیہ بیگم کی طبیعت سنبھل نہیں رہی تھی وہ تو بس رانیہ کی شادی کی خوشی میں خود کو سنبھالے ہوئے تھیں۔

رضیہ بیگم نے وکیل کے ذریعے اپنی وصیت لکھوائی تھی، امجد ہاؤس رضیہ بیگم کے نام تھا جو انہوں نے قانونی طور پر رانیہ کے نام کر دیا تھا اور امجد علی مرحوم کا جنرل اسٹور بیچ کر اس کی رقم رانیہ کے نام بینک میں جمع کرانے کی قانونی طور پر وصیت کر دی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ رانیہ اپنے سسرال خالی ہاتھ جائے، سات مرلے کا دو منزلہ مکان اور جنرل اسٹور کی قیمت بہت تھی۔ مامون جیسے امیر گھر کے داماد کے لئے۔ مامون کو رانیہ کی جائیداد سے کوئی غرض نہیں تھی۔ رضیہ بیگم کی بیٹی ہونے کے ناطے وہ ان کی قانونی وارث تھی اس لئے یہ پراپرٹی رانیہ کو ہی ملنا تھی۔ اسجد کی نافرمانی اور بے رُخی کی بدولت اسے جائیداد میں سے کچھ نہیں دیا گیا۔ ویسے بھی وہ بہت دولت مند بن گیا تھا۔ اس نے تو ماں باپ اور بہن سے ہر تعلق اور رابطہ تک توڑ لیا تھا۔ اس لئے رضیہ بیگم نے اسے اس مختصر جائیداد میں سے حصہ دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

مجید ماموں اور حمید نے اگلے دن رخسانہ مجید کو رانیہ اور مامون کی نکاح کی اطلاع دی تھی۔ جسے سن کر پہلے تو انہیں یقین ہی نہیں آیا اور جب دونوں نے رانیہ کے نکاح میں بطور گواہ شریک ہونے کا بتایا تو وہ آگ بگولہ ہو گئیں۔ کیونکہ اب وہ رانیہ کو اپنی بہو بنا کر گھر اور جنرل اسٹور اپنے نام کرانے کے خواب دیکھ رہی تھیں۔ پل پل نئی نئی سازشیں ان کے دماغ میں پلتی پنپتی رہتی تھیں۔ اپنی اس سازش کی ناکامی پر وہ تلملا رہی تھیں سیدھی ہسپتال جا پہنچیں۔

''تمہیں کچھ خبر بھی ہے مامون کے گھر والوں نے تمہیں تمہارے گھر اور دکان کی وجہ سے قبول کرنے کی حامی بھری تھی۔ وہ تمہارے ذریعے تمہارا گھر مامون کے نام کرا کے تمہیں چلتا کریں گے۔'' رخسانہ مجید نے رانیہ کو باہر لان میں لے جا کر رازداری سے بتایا۔

''لیکن ان کے پاس کس چیز کی کمی ہے جو وہ میری جائیداد لیں گے؟''

''ہوس، لالچ میری بچی، لالچ یہ دولت مندوں کو ہر جائز ناجائز ذریعے سے مال بنانے پر

اکسائے رکھتی ہے۔ میرا نام مت لینا کہ میں نے اندر کی بات تمہیں بتادی ہے اور ظاہر ہے تم خود سوچو کہ تم جس الزام اور تہمت کے تحت محلے، خاندان اور شہر بھر میں بدنام ہو چکی ہو اس کے بعد بھلا مامون کے ماں باپ تمہیں اپنی بہو کیوں بنانے لگے۔ وہ تو تمہاری جائیداد کا لالچ ہے انہیں وہ ہتھیا کر وہ لوگ تمہیں دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکیں گے۔ ہائے میری یتیم رانیہ، میرے بس میں ہو تو میں تجھے ہر دُکھ سے بچالوں۔'' رخسانہ مجید نے سنجیدگی سے کہا آخر میں باقاعدہ آنسو لاکر اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔ رانیہ کے وجود میں نفرت کی چنگاریاں پھر سے بھڑک اٹھی تھیں۔

''رانیہ! جلدی آؤ خالہ جان کی حالت بگڑ رہی ہے۔'' مامون کی آواز پر وہ چونک کر پلٹی اور تیزی سے بھاگتی ہوئی وارڈ میں داخل ہوئی۔ رضیہ بیگم کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ ڈاکٹر وزیر علی انہیں آکسیجن لگا رہے تھے۔ مامون اور رانیہ ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ مامون کو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

''جی خالہ جان! مامون فوراً قریب آ گیا۔ رضیہ بیگم نے نجانے ٹوٹتی سانسوں کے بیچ اس سے کیا کہا تھا کہ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر رانیہ کا ہاتھ تھام کر ان کے قریب کھڑا ہو گیا۔ رضیہ بیگم نے مسکرا کر ان دونوں کو الوداعی نظروں سے دیکھا اور پھر دھیرے دھیرے آنکھیں موندلیں۔ وہ ابدی نیند سو گئی تھیں لیکن ان کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ تھی جو کسی یقین اور اطمینان کے بعد ہی انسان کو میسر آتی ہے۔

''اماں...... اماں......'' رانیہ نے تڑپ کر انہیں پکارا اور صدمے سے بے ہوش ہو کر مامون کی بانہوں میں جھول گئی۔

☆......☆......☆

رضیہ بیگم بھی اپنی اکلوتی بیٹی کو روتا، تڑپتا، بلکتا چھوڑ کر ملکِ عدم سدھار گئیں اور وہ لاکھ رونے تڑپنے اور چاہنے کے باوجود بھی روک نہیں سکی تھی۔ رخسانہ مجید نے ایسے میں رانیہ کو بہت سنبھالا تھا۔ ان کی تینوں بیٹیاں بھی اس کی دلجوئی کر رہی تھیں۔ مامون تو اس کی حالت دیکھ دیکھ کر تڑپ رہا تھا۔ محلے اور خاندان والوں نے رانیہ کو ہی اس کے ماں باپ کی موت کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا۔ سب اس کے خراب کردار کے انکشاف پر اس کی منگنی ٹوٹنے سے امجد علی اور رضیہ بیگم کی صدماتی موت کو تعبیر کر رہے تھے اور وہ لوگوں کی زہریلی باتیں سن کر مزید ہلکان ہو رہی تھی۔ وقت رکتا نہیں ہے صدمہ کتنا ہی بڑا درد و غم کتنا ہی گہرا اور کڑا کیوں نہ ہو گزرتے وقت کی حکمرانی اسے دھیرے دھیرے کم کرتی جاتی ہے۔ غم دل میں چُھپ کر بیٹھ جاتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ غم ختم ہو گیا۔ رانیہ نے بھی خود کو ایک بار پھر سے سنبھال لیا تھا۔ اب وہ اکیلے میں روتی تھی سب کے سامنے خود پر ضبط کے پہرے بٹھائے رکھتی تھی۔ مجید ماموں کی بیٹیاں اس کے پاس آ کر رہ جاتیں دو ہفتے رضیہ بیگم کو رخصت ہوئے بھی گزر گئے تھے۔

"ٹرن، ٹرن......" ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو رانیہ نے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو!"

"رانیہ......"

"جی!"

"میں مامون کی ممی بات کر رہی ہوں۔" دوسری جانب سلمیٰ بیگم بول رہی تھیں۔

"السلام وعلیکم آنٹی!"

"وعلیکم السلام! کیسی ہو؟"

"جی ٹھیک ہوں۔"

''ماموں تمہاری طرف تو نہیں آیا ہوا؟''

''جی نہیں۔''

''ہوں، یہ بتاؤ اب تمہارے ارادے کیا ہیں؟''

''میں سمجھی نہیں آنٹی۔''

''تو میں تمہیں سمجھا دیتی ہوں، سنو لڑکی میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دو اسے تمہارے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے، میں تم جیسی لڑکی کو اپنی بہو نہیں بنا سکتی۔ ایک عزت ہی تو ہوتی ہے لڑکی کے پاس تمہارے پاس تو وہ بھی نہیں ہے۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے زمانے بھر میں بدنام ہونے والی لڑکی کو اپنے گھر کی زینت بنانے کا۔ میرے بیٹے کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر تم کیا سمجھتی ہو۔''

''میں کچھ نہیں سمجھتی، اپنے بیٹے کو سنبھال کر رکھیں اپنے پاس۔'' رانیہ نے غصے سے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور ریسیور پٹخ دیا۔ ایکسٹینشن پر رخسانہ مجید ان کی گفتگو سن چکی تھیں اور دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھیں کہ ان کا کام آسان ہو رہا ہے۔

''رانیہ بیٹی اب میں چلتی ہوں گھر میں سو کام ہیں کرنے والے۔'' رخسانہ مجید نے کمرے میں آ کر پیار سے کہا۔

''ٹھیک ہے ممانی! آپ جائیں، آپ بھی کب تک میری وجہ سے اپنا گھر بار چھوڑ کے یہاں بیٹھی رہیں گی۔'' رانیہ نے مدھم آواز میں کہا۔

''کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔ اب تو تم ماموں کی بیوی ہو۔ یہ پابندی نہ ہوتی تو میں تمہیں اپنے گھر لے جاتی، اب تو ماموں ہی تمہارا ذمے دار اور سرپرست ہے اسے چاہئے کہ تمہیں رخصت کرا کے لے جائے، یوں بھی تمہارا اکیلے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ لوگ الگ الٹی

سیدھی باتیں بناتے ہیں۔ اچھا اپنا خیال رکھنا میں پھر آؤں گی۔ خدا حافظ۔'' رخسانہ مجید اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ملائمت سے بولیں اور وہاں سے چلی گئیں۔ رانیہ وہیں گم صم سی بیٹھی سلمٰی بیگم کی باتوں پر کڑھ رہی تھی۔

''رانیہ......!'' مامون کی آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھا کے دیکھا۔

''دروازہ کیوں کھلا تھا؟''

''ممانی ابھی واپس گئی ہیں اپنے گھر۔'' رانیہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا

''تو ان کے جانے کے بعد تمہیں دروازہ بند کر دینا چاہیے تھا۔''

''ہاں! مجھے دروازہ بند کر دینا چاہیئے اب۔'' وہ معنی خیز جملہ بولی۔

''کیا بات ہے کوئی نیا شاک پہنچا ہے، بہت دکھی لگ رہی ہو۔'' مامون اس کے چہرے سے اس کی کیفیت و حالت کو محسوس کرتے ہوئے بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے نہایت بے مروتی سے جواب دیا۔

''آپ میرے دکھوں کی فکر مت کیجئے فرمایئے کیسے آنا ہوا؟''

''تم مجھ سے اجنبی کی طرح کیوں بات کر رہی ہو اس قدر غیریت کیوں ہے تمہارے لہجے میں؟'' وہ بے قرار ہو کر سوال کر رہا تھا۔

''اپنائیت کا کوئی تعلق، کوئی رشتہ ہمارے بیچ بنا ہی کب تھا؟''

''میری طرف سے تو شروع دن سے یہ رشتہ تھا تمہیں محسوس نہیں ہوا تو اب ہو جائے گا تم میری بیوی ہو، شوہر ہوں، میں تمہارا۔'' مامون نے اس کے صاف ستھرے مگر افسردہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ مجبوری کا رشتہ ہے اور مجبوری کے رشتے بہت ناپائیدار ہوتے ہیں مسٹر مامون۔'' رانیہ

نے کھڑے ہو کر کہا اس کا یہ جملہ، یہ لہجہ، ہر انداز مامون کو دکھ سے دوچار کر رہا تھا مگر وہ ضبط پر ضبط کئے جا رہا تھا۔

"میں تمہیں اس رشتے کی پائیداری ثابت کر کے دکھاؤں گا انشاء اللہ یہ رکھو شاید کبھی تمہارے کام آسکیں۔" مامون نے سنجیدہ مگر پر یقین لہجے میں کہا اور اپنے ہاتھ میں پکڑا ایک خاکی لفافہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"کیا ہے اس میں؟"

"ہماری تقریب نکاح کی تصاویر اور نکاح نامے کی چند فوٹو کاپیاں ہیں۔ اصل نکاح نامہ میرے پاس ہے کیونکہ تم سے تو کچھ بھی بعید نہیں ہے غصے میں آکر نکاح نامہ ہی پھاڑ ڈالا تو میں تو بے موت مارا جاؤں گا نا، تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کا ثبوت بھی اپنے پاس رکھنا ضروری ہے۔" مامون نے مسکراتے ہوئے کہا تو رانیہ نے نفرت سے لفافہ بیڈ پر پھینک دیا۔ مامون کو بہت دکھ پہنچا تھا اس کی حرکت سے۔

"یہ تمہاری امانت تھی میرے پاس اسے سنبھال کر رکھنا۔" مامون نے ایک نیلے رنگ کی فائل اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اب یہ کیا ہے؟" وہ فائل لے کر بدتمیزی سے پوچھ رہی تھی۔

"اس گھر کے کاغذات ہیں جو خالہ جان نے تمہارے نام کر دیا تھا۔ خالہ جان کی وصیت کی کاپی بھی اس میں موجود ہے اور جنرل اسٹور میں نے ان کی وصیت کے مطابق فروخت کر دیا ہے اور اس کی تمام رقم تمہارے بینک اکاؤنٹ میں جمع کروا دی ہے۔ تم چاہو تو بینک جا کر تصدیق کر سکتی ہو اس میں رجسٹری اور رسیدیں بھی موجود ہیں دیکھ لو۔"

"آپ نے یہ پراپرٹی اپنے نام کیوں نہیں کروائی؟" وہ شک بھرے لہجے میں بولی۔

''میں یہ بے ایمانی کیوں کرتا بھئی، میرا تمہاری پراپرٹی پر کوئی حق نہیں ہے۔ میرا حق صرف تم پر ہے رانیہ۔'' مامون نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے جو اس نے نفرت سے جھٹک دیئے۔

''مجھ پر بھی آپ کا کوئی حق نہیں ہے اگر آپ کو یہ پراپرٹی چاہئے تو لے لیں اور جان چھوڑ دیں میری۔''

''کیسے چھوڑ دوں تمہاری جان! تم تو میری جان ہو۔ بیوی ہو میری، ذمے دار ہوں میں اب تمہارا۔'' وہ اب بھی پیار سے سمجھا رہا تھا۔

''تم صرف میری ذلت و رسوائی اور جگ ہنسائی کے ذمے دار ہو، تم میرے اماں ابا کی موت کے ذمے دار ہو۔ تم قاتل ہو میرے ماں باپ کے تم نے میری بے رُخی اور انکار کا بدلہ لیا ہے نا، مجھے اس طرح سے رُسوا اور اکیلا کر کے۔ بہت گھٹیا انسان ہو تم، نفرت ہے مجھے تم سے شدید نفرت......کوئی چیز نہیں ہے میرے دل میں تمہارے لئے سنا تم نے۔'' وہ نفرت اور غصے سے چیخ کر بول رہی تھی اور مامون کی دھجیاں بکھیر رہی تھی۔ اس نے بمشکل دیوار کا سہارا لے کر خود کو گرنے سے بچایا تھا۔ کتنی دیر تک تو وہ صدمے اور دکھ کے باعث کچھ بول ہی نہ سکا پھر بولا تو لہجہ نہایت نرم تھا۔

''تم ہمیشہ سے مجھ سے نالاں رہی ہو کیوں؟ میں نہیں جانتا لیکن رانیہ علی تم سے اتنا ضرور کہوں گا کہ تم بدگمانی کے کوہ ہمالیہ پر کھڑی ہو جہاں سے تمہیں میری ذات بہت چھوٹی اور حقیر دکھائی دے رہی ہے۔ ٹھیک ہے تم مجھ سے نفرت کرو، نہ رہو میرے ساتھ، لیکن تمہاری ماں نے مرتے وقت مجھ سے منت کی تھی کہ ''مامون بیٹا رانیہ بہت جذباتی اور نادان لڑکی ہے اس کی کسی نادانی کی وجہ سے نکاح کا یہ بندھن کبھی مت توڑنا۔'' یہ ان کی وصیت اور میری محبت کا تقاضا

ہے رانیہ مامون ضیاء کہ میں تمہیں اس رشتے سے جوڑے رکھوں، میں تمہیں اس بندھن سے کبھی آزاد نہیں کروں گا۔ ہاں اگر تمہیں آزادی چاہیئے تو پھر میری موت کی دُعا مانگنا کیونکہ میری موت ہی اب اس بندھن سے تمہیں رہائی دلا سکتی ہے۔" مامون نے اپنی بات مکمل کی اور بہت تیزی سے "امجد ہاؤس" کی دہلیز عبور کر گیا۔

مامون کو رانیہ کے رویے، جملے اور لہجے نے اس کی نفرت نے اندر سے چکنا چور کر دیا تھا وہ بہت رویا تھا گھر جا کر ربّ سے اپنی محبت کی بھیک مانگی تھی۔ درد اتنا تھا کہ وہ ہفتہ بھر بیمار پڑا رہا۔ آفس میں اس کی ذہانت، صلاحیت اور قابلیت کے سبب جاب پکی ہو چکی تھی اس لئے اسے بیماری کی حالت میں چھٹی بھی بآسانی مل سکتی تھی مگر وہ آدھے دن کے لئے آفس جاتا رہا۔ رانیہ کی طرف جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی پھر جب بخار اتر گیا طبیعت سنبھل گئی تو وہ نفرت میں ڈوبے لفظوں کی مار کھانے کے لئے پھر سے "امجد ہاؤس" کی طرف چل دیا، لیکن وہاں پہنچ کر اسے ایک اور صدمے سے دو چار ہونا پڑا، رانیہ "امجد ہاؤس" دو سال کے لئے کرائے پر دے کر شہر چھوڑ کر جا چکی تھی۔ کہاں یہ کسی کو معلوم نہیں تھا حتیٰ کہ کرائے داروں کو بھی معلوم نہیں تھا کیونکہ دو سال کی پیشگی رقم کی ادائیگی انہوں نے کسی وکیل کے ذریعے معاہدے کے تحت کر دی تھی۔ مامون گرتا پڑتا مجید ماموں کے گھر پہنچا تو انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ وہ خود بھی رانیہ کے اس طرح اچانک بن بتائے گھر اور شہر چھوڑ کر چلے جانے پر خاصے پریشان تھے۔

☆......☆......☆

"بیس برس کی لڑکی پہ اس کے اپنے ہی گھر میں زمین تنگ کر دی گئی تھی۔ وہ بے چاری کیوں نہ یہاں سے جاتی اور مامون بیٹا تم نے بھی اُسے اکیلا چھوڑ دیا یہاں تمہارا اپنا گھر ہے تم

اُسے وہاں لے جاتے، ہر کوئی اُسے الزام دے رہا تھا۔ اب تمہاری ماں نے بھی کم باتیں تو نہیں سنائیں تھیں اسے، مجھے لگتا ہے کہ رانیہ انہی کی باتوں سے دل برداشتہ ہو کر یہاں سے چلی گئی ہے۔" رخسانہ مجید نے ہمدردانہ اور تاسف زدہ لہجے میں کہا تو مامون نے حیرت اور بے چینی سے پوچھا۔

"ممی نے رانیہ سے کیا کہا تھا۔"

"بیٹا! میں نے اپنے کانوں سے ان کا فون سنا تھا، مجھے تو کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، چھوڑ بیٹا ناحق میری سچی بات سے تمہارے گھر میں بدمزگی ہو گی اور ہمارے تعلقات بھی خراب ہوں گے۔"

رخسانہ مجید نے چالاکی سے بات گول کر دی تا کہ وہ اصرار کر کے پوچھے۔

"آنٹی! آپ کا نام نہیں لوں گا میں کسی سے، پلیز مجھے بتایئے ممی نے رانیہ سے کیا کہا تھا؟" وہ بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔

"بیٹا، سلمیٰ بیگم نے تو حد کر دی تھی کہہ رہی تھی کہ میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دو، میں تم جیسی بدنام اور بدکردار لڑکی کو کبھی اپنی بہو نہیں بناؤں گی۔ تم نے مامون کو اپنی محبت کے جال میں پھنسایا ہے اسے آزاد کر دو، اس کی زندگی سے دور چلی جاؤ ورنہ پچھتاؤ گی۔" رخسانہ مجید نے کچھ باتیں اپنی طرف سے بھی لگا کر اسے بتا دی تھیں۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ممی اس قدر فضول باتیں بھی کہہ سکتی ہیں۔" مامون نے دوہرے صدمے سے دوچار ہوتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! کیا تم نے انہیں اپنے اور رانیہ کے نکاح کے متعلق کچھ نہیں بتایا؟" مجید نے مامون نے پوچھا۔

''میں نے ڈیڈی کو نکاح سے پہلے اعتماد میں لے لیا تھا، انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا میرے رانیہ سے نکاح پر وہ تو میری خوشی میں خوش تھے۔ انہوں نے مجھے منع کیا تھا کہ میں ممی کو فی الحال اس نکاح کے متعلق نہ بتاؤں وہ خود ہی انہیں موقع دیکھ کر بتا دیں گے۔ پتہ نہیں انہوں نے ممی کو اب تک بتایا ہے کہ نہیں۔ رانیہ ممی کی وجہ سے گھر چھوڑ گئی ہے مائی گاڈ۔'' مامون نے دکھ سے کہتے ہوئے اپنا سر پکڑ لیا۔

''کیا خبر بیٹا! وہ واقعی کسی اور میں انٹرسٹڈ ہو جبھی تمہیں اتنی آسانی سے چھوڑ گئی، ورنہ اتنی بدنامی کے بعد بھی اسے ایک معزز اور شریف شخص کی بیوی بننے پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہئے تھا اور تمہارے ساتھ بخوشی رہنا چاہئے تھا۔'' رخسانہ مجید نے سنجیدگی سے کہا تو شبانہ نے بھی اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔

''اور امی! رانیہ کے ہمسائے بتا رہے تھے کہ وہ کسی نوجوان کے ساتھ لمبی سی گاڑی میں بیٹھ کر گئی ہے، پتہ نہیں وہ کون تھا، اب تو محلے والے رانیہ کو اور زیادہ بُرا کہہ رہے ہیں کہ ماں باپ کے مرتے ہی اُسے اپنی آوارگیوں کے لئے عیاشیوں کے لئے آزادی مل گئی تھی جبھی تو اپنے کسی آشنا کے ساتھ چلی گئی توبہ توبہ......''

''میں چلتا ہوں۔'' مامون سے مزید برداشت نہ ہوا تو اٹھ کھڑا ہوا اور پھر ان کے لاکھ روکے سے بھی نہیں رکا۔

تین دن بعد مامون کو ایک لفافہ ڈاک کے ذریعے موصول ہوا اس نے لفافہ کھول کر دیکھا تو اس میں رانیہ کی تین چار تصوریں بھی موجود تھیں اس کے ساتھ نجانے کون لڑکے تھے۔ بہت ہی بے ہودہ پوز میں کھینچی گئی تھیں یہ تصاویر، مامون کا پورا بدن آگ کی طرح سلگنے لگا تھا۔ وہ بہت غور سے چاروں تصویریں دیکھ رہا تھا کہ اچانک چونک گیا اور پھر ایک ایک کر کے ساری

تصویریں دیکھنے بعد اُسے بے اختیار ہنسی آگئی۔ رخسانہ مجید نے رانیہ کی کالج کے فینسی ڈریس شو میں دلہن کا روپ دھانے والی جو تصویر بیگم صغیر کو دکھائی تھی وہی تصویر مامون رانیہ کے کمرے میں اس کی البم میں بھی دیکھ چکا تھا اور تصویر کے پیچھے لکھی تحریر بھی اس نے پڑھی تھی وہی تصویر ان تصویروں میں بھی موجود تھی۔ جس سے مامون کو یقین ہوگیا تھا کہ یہ ضرور کسی کی شرارت ہے اور باقی تصویریں بھی جعلی ہیں، اس نے وہ تصویریں چولہے پر رکھ کر جلا دیں۔

''رانیہ کہاں چلی گئی ہو تم میری محبت سازشوں کی زد میں ہے کون کر رہا ہے یہ میرے ساتھ...... مجھے تم سے بدگمان کرنے کی پلاننگ کس کی ہوسکتی ہے؟ کیا ممی؟ وہ تو یہ سب نہیں کر رہیں؟'' وہ بے چین و بے قراری سے خود سے سوال کر رہا تھا۔

''رخسانہ آنٹی، نہیں، پھر کون ہوسکتا ہے؟ مجھے ممی سے بات کرنی چاہئے۔'' وہ سوچ رہا تھا کہ سلمٰی بیگم کا فون آگیا۔

''السلام وعلیکم ممی!'' مامون نے اپنا موبائل آن کر کے کان سے لگایا۔

''وعلیکم السلام! کہاں ہو تم؟''

''گھر پر ہی ہوں۔''

''رانیہ کے گھر پر۔'' سلمٰی بیگم کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

''جی نہیں اپنے گھر پر ہوں۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے ممی؟''

''ٹھیک ہے میری طبیعت اور یہ تم نے کیا حرکت کی ہے چوری چھپے رانیہ سے نکاح کر لیا اور مجھے اب تمہارے ڈیڈی نے بتایا ہے۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''کیونکہ اس وقت ہمیں معلوم تھا کہ آپ انکار کر دیں گی نہیں مانیں گی۔'' وہ افسردگی سے بولا تو انہوں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''مانوں گی تو میں اب بھی نہیں، میں اس آوارہ لڑکی کو اپنے گھر میں قدم بھی نہیں رکھنے دوں گی۔ سُنا تم نے فوراً سے پہلے اُسے طلاق دے دو۔''

''سوری ممی میں آپ کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا اور آپ نے رانیہ کو فون کیا تھا نا ممی۔''

''اُس نے شکایت کی ہوگی۔'' سلمیٰ بیگم نے کہا۔

''اُس نے تو کچھ بھی نہیں کہا اور اپنا گھر اور شہر چھوڑ کر نجانے کہاں چلی گئی ہے۔ آپ خوش ہو جایئے ممی رانیہ مجھے چھوڑ گئی ہے یہی چاہتی تھیں ناں آپ۔'' مامون نے دکھی لہجے میں کہا۔

''وہ ایسے کیسے جا سکتی ہے؟'' سلمیٰ بیگم نے سکون کا سانس لے کر پوچھا۔

''وہ چلی گئی ہے اور کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں گئی ہے؟''

''تو اب تم اسی بات سے اندازہ لگا لو کہ وہ کس کردار کی مالک ہے، اس کا ضرور کسی سے معاشقہ چل رہا ہوگا ماں باپ کے مرتے ہی اُسے کھلی آزادی مل گئی اور وہ بھاگ گئی اپنے آشنا کے ساتھ۔ اُسے تو یہ بھی خیال نہیں آیا ہوگا کہ اس کا نکاح ہو چکا ہے اور وہ اب کسی کی امانت ہے۔ تم تو اس کی محبت میں اندھے ہو گئے ہو سارا شہر جو کہہ رہا ہے وہ کیا پاگل ہے۔ اگر رانیہ کو تم سے محبت ہوتی، اسے رشتے کی قدر پاس لحاظ ہوتا تو وہ یوں تم سے چوری چھپے گھر اور شہر چھوڑ کر کبھی نہیں جاتی، صاف ظاہر ہے کہ وہ کسی کو پسند کرتی تھی تم سے جھوٹی محبت کا کھیل کھیلا تھا اس نے۔'' سلمیٰ بیگم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اس نے مجھ سے محبت کا کوئی کھیل نہیں کھیلا بلکہ وہ تو مجھ سے نفرت کرتی ہے ممی۔''

''نفرت؟''

''جی ہاں ممی! رانیہ آپ کے اس شاندار اور ڈیشنگ بیٹے سے شدید نفرت کرتی تھی۔'' وہ کانپتی آواز میں بولا۔

''اور تم پھر بھی اس کے لئے مرے جا رہے ہو۔''

''ہاں میں رانیہ کے لئے مر سکتا ہوں لیکن کسی اور لڑکی کے لئے ہاں کبھی نہیں کر سکتا۔ وہ بدکردار نہیں ہے ممی وہ بہت با کردار اور با حیا لڑکی ہے، بس میرے متعلق غلط فہمی اور بدگمانی میں مبتلا ہے۔'' مامون نے دکھ اور بے بسی سے بھیگتی آواز میں کہا۔

''رانیہ تم سے نفرت کرتی ہے اس کا مطلب کہ وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے تم سے چھٹکارا چاہتی ہے اور تم......''

''پلیز ممی، بس کیجئے۔'' وہ تڑپ کر بولا اپنی محبت کی نفرت اس کی روح تک کو گھائل کر رہی تھی۔

''مون میرے چاند بیٹا، بھول جاؤ اسے تمہارے لئے ایک سے ایک اچھی لڑکی مل جائے گی۔'' سلمیٰ بیگم نے قدرے نرمی اور محبت سے کہا۔

''مگر مجھے تو صرف ایک ہی اچھی لڑکی چاہئے اور وہ ہے رانیہ۔''

''وہ اچھی لڑکی نہیں ہے۔'' سلمیٰ بیگم نے کہا لہجہ غصیلا اور تیز تھا۔ مامون نے تڑپ کر موبائل آف کر دیا۔

''کیا یہ سب لوگ صحیح کہہ رہے ہیں؟ کیا رانیہ واقعی بُری لڑکی ہے، کیا وہ کسی اور کو چاہتی ہے اور اُسی کے ساتھ گئی ہے، مجھ سے نکاح کے باوجود کسی اور کے ساتھ چلی گئی......نہیں نہیں......میری محبت اتنی بُری نہیں ہو سکتی، نہیں ہے وہ بدکردار......نہیں۔''

مامون خود سے سوال جواب کرتا بچوں کی طرف پھوٹ کر رو دیا۔

وقت کا پنچھی اپنے پروں میں تین سال سمیٹ کر لے گیا تھا۔ مامون ضیاء کی زندگی کے قیمتی تین برس رانیہ کی یادوں سے آباد گزرے تھے۔ ایک لمحہ بھی اس دوران ایسا نہیں آیا کہ وہ رانیہ کو اس کی معصوم اور من موہنی صورت کو بھول پایا ہو۔ سب گھر والے اسے شادی کے لئے

آمادہ کرنے کی کوشش کر کر کے تھک گئے تھے مگر اس کا ایک ہی جواب تھا کہ ”شادی تو میری رانیہ سے ہو چکی ہے۔“

اکثر راتوں کو تنہائی کے گھپ اندھیرے میں رانیہ کی جدائی کا درد بڑھ جاتا تو وہ بے اختیار اشکبار ہو جاتا، دُعاؤں میں ربّ سے اُس کی واپسی کی اس کے ملن کی، اُس کے پیار واعتبار بھرے ساتھ کی فریاد اور درخواست کیا کرتا تھا اور ......رانیہ......!!

رانیہ شہر چھوڑ کر اپنی کالج کی پرنسپل فرحت نسیم کی بہن مدحت نسیم کے پاس اسلام آباد آ گئی تھی۔ وہیں وہ ان کی انیکسی میں پے انگ گیسٹ کی حیثیت سے رہنے لگی اور ساتھ ہی ان کے سکول میں جاب بھی شروع کر دی تھی۔ فرحت نسیم نے مدحت نسیم کو رانیہ کی دکھ بھری کہانی سنا دی تھی، اس لئے انہیں رانیہ سے دلی ہمدردی تھی وہ اُسے چھوٹی بہنوں کی طرح سمجھتی تھیں۔ رانیہ نے زندگی کے دکھوں اور غموں کو بُھلانے کے لئے اپنی تعلیم بھی ساتھ ساتھ جاری رکھتے ہوئے بی ایڈ اور ایم اے کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ اس کی تنخواہ میں اضافہ بھی ہو گیا تھا۔ دو ماہ پہلے اسے مدحت نسیم کی انیکسی سے فلیٹ میں شفٹ ہونا پڑا تھا۔ کیونکہ مدحت نسیم کے دیور اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ وہاں رہنے کے لئے آ گئے تھے۔ فلیٹ کا چھ ماہ کا کرایہ رانیہ نے ایڈوانس دے دیا تھا۔ ”امجد ہاؤس“ کا کرایہ بھی وہ اب فلیٹ کے کرائے میں دینے کے لئے استعمال کر رہی تھی ورنہ اب تک وہ رقم بینک اکاؤنٹ میں جمع تھی۔ آس پاس کے فلیٹوں میں رہنے والوں سے رانیہ کی بس سکول آتے جاتے ہی راستے میں سلام دُعا ہوتی تھی۔ اسی لئے اسے ان لوگوں کے مزاج علم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ لوگ کیسے ہیں؟ البتہ ان لوگوں کو ضرور تجسس رہتا تھا کہ یہ حسین وجمیل لڑکی کون ہے اور یہاں اکیلی کیوں رہتی ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ کیوں آئی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

رانیہ نے خود کو لاکھ مصروف کر لیا تھا لیکن مامون ضیاء اسے بھی بھولا نہیں تھا۔ جس طرح مامون کو اس کے ساتھ بیتا ہر لمحہ یاد تھا اسی طرح وہ بھی ان لمحوں کو فراموش نہیں کر پائی تھی۔ رات کو جب بھی سونے کے لئے لیٹتی مامون آنکھوں میں نیند کی جگہ آ بستا اور اسے حیرت ہوتی تھی اپنے آپ پر کہ اب اسے مامون سے پہلے کی طرح نفرت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی شاید گزرے وقت نے اس کا غصہ ٹھنڈا کر دیا تھا۔ وہ اکثر سوچا کرتی کہ نجانے اس کے وہاں سے چلے آنے کے بعد مامون نے کیا سوچا ہوگا اس کے بارے میں؟ اس کے دل پر کیا بیتی ہوگی؟ کیا اُس نے اُسے تلاش کیا ہوگا؟ کیا مامون اب تک اس کی محبت میں تنہائی کا عذاب جھیل رہا ہوگا یا اس نے اپنا گھر بسا لیا ہوگا۔

مامون نے اسے نکاح کی جو تصاویر دی تھیں رانیہ اپنے ساتھ ہی لے آئی تھی اور تقریباً ہر روز وہ البم دیکھتی اور حیران ہوا کرتی کہ مامون کے مقابلے میں وہ تو کچھ بھی نہیں تھی وہ اس سے زیادہ ڈیشنگ، اسمارٹ اور گڈ لکنگ تھا پھر اس نے اسی سے محبت کیوں کی؟ مامون نے نکاح کی رات جو کنگن اسے پہنائے تھے وہ آج بھی اس کی کلائی کی شان بڑھا رہے تھے اسے ایک لمحے کو بھی یہ کنگن خود سے الگ کرنے کا خیال نہیں آیا...... وہ جب بھی یہ کنگن اپنی کلائی میں گھماتی اسے سرگوشی سی سنائی دیتی۔

''کاش! میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوگا۔''

مامون کی پیار بھری شریر اور شوخ جسارتیں اسے یاد آتیں تو جانے کیوں اس کے اندر اُداسیوں کے قافلے اترنے لگتے۔

''کیوں ...... مامون ضیاء کیوں یاد آتے ہو مجھے؟'' رانیہ خود سے الجھتی اور اسے ایسے مخاطب کر کے کہتی جیسے وہ سامنے کھڑا سن رہا ہے۔

مدحت نسیم اسے بارہا مامون سے رابطے کے لئے کہہ چکی تھیں۔ اُسے سمجھا چکی تھیں کہ مامون اس سے سچی محبت کرتا ہے مگر وہ اسے خود چھوڑ کر آئی تھی اب خود سے رابطہ کرنا اسے گوارہ نہ تھا اور وہ اس کو مجرم سمجھتی تھی اپنی سیرت و کردار کا، وہ بھلا اسے کیسے معاف کر دیتی۔ وہ تئیس برس کی ہوئی تھی اور پوری عمر تنہا کاٹنا اکیلی لڑکی کے بس کی بات نہیں تھی۔ مدحت نسیم اُسے سمجھاتی تھیں جب سے وہ فلیٹ میں شفٹ ہوئی تھی تب سے ان کی نصیحتیں زور پکڑتی جا رہی تھیں، انہیں رانیہ کے اکیلے رہنے کی وجہ سے ہر وقت اس کی فکر لگی رہتی تھی۔ ایک دن رانیہ اسکول کے لئے فلیٹ سے باہر نکلی تو ایک آوارہ مزاج لڑکے نے اس کا راستہ روک لیا۔

''یہ صبح سویرے تم بن ٹھن کر کہاں جاتی ہو؟'' لڑکے نے خباثت سے پوچھا۔

''تم سے مطلب!'' رانیہ نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر سختی سے کہا۔

''مطلب پورا کر دو تو ابھی بتا دوں سنا ہے اکیلی رہتی ہو...... تنہا ہو...... کہو تو میں آ جایا کروں رات کو تمہاری تنہائی دور ہو جائے گی اور میری بے قراری بولو منظور ہے۔'' اس لڑکے نے کمینگی سے کہا اس کی آنکھوں میں شیطانیت ٹپک رہی تھی۔ رانیہ کو پہلی بار ایسی صورت حال سے واسطہ پڑا تھا اس کے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

''اپنے لئے اپنے جیسی آوارہ اور بے حیا لڑکی تلاش کرو، ہٹو میرے راستے سے۔'' وہ غصے سے بولتی اسے دھکا دے کر تیزی سے آگے بڑھ گئی وہ لڑکا کمینگی سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

رانیہ کو اس وقت رونا آ رہا تھا مگر ضبط کرتی ہوئی جیسے تیسے اسکول پہنچ گئی۔ مدحت نسیم نے اسے وائس پرنسپل بنا دیا تھا۔ وہ سیدھی مدحت نسیم کے آفس میں گئی تھی۔ مدحت نسیم ابھی ابھی پہنچی تھیں۔ اس کی حواس باختہ صورت دیکھ کر فکر مندی سے اس کی طرف بڑھیں۔

''کیا ہوا رانیہ؟'' رانیہ نے روتے ہوئے ساری بات بتا دی۔ انہیں بہت افسوس ہوا تھا سن کر۔

”کتنی بار سمجھا چکی ہوں تمہیں کہ عورت کو اس معاشرے میں مرد کے بغیر کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے اکیلی لڑکی یا عورت کا جینا حرام کر دیتے ہیں لوگ تم انیکسی میں رہ رہی تھیں میرے ساتھ باہر آتی جاتی تھیں، اس لئے تمہیں کبھی عدم تحفظ کا احساس نہیں ہوا۔ اب تم اکیلی رہ رہی ہو، اکیلے باہر آتی جاتی ہو تو دیکھ لیا تم نے اس معاشرے کے مردوں کا رویہ..... تم تو ایک ہی جھٹکے میں ڈھیر ہونے لگیں اور لڑکا بھلا اتنی آسانی سے تمہارا پیچھا چھوڑے گا...... اسے پتا ہے کہ تم اکیلی ہو لہٰذا وہ تمہیں پریشان ضرور کرے گا۔“ مدحت نسیم نے سنجیدگی سے کہا۔

”آپی! میں کیا کروں اب؟“

”اپنے شوہر سے رابطہ کرو۔“

”یہ مجھ سے نہیں ہوگا اور وہ تو جیسے ان تین برسوں کی بے رُخی اور لاتعلقی بھلا دیں گے ناں...... وہ بھی مجھے اوروں کی طرح بُرا ہی کہتے اور سمجھتے ہوں گے اور انہوں نے مجھے حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کیا“ وہ بھیگتے لہجے میں بولی۔

”اس کے لئے مامون ضیاء کو معاف کر دو، کیونکہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے اوّل تو مجھے نہیں لگتا کہ مامون نے اپنی محبت کو بدنام کیا ہو، تم واپس چلی جاؤ رانیہ اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے۔“ مدحت نسیم نے اسے نرمی سے سمجھایا۔

”آپی! میں اُس شخص سے تحفظ اور ساتھ کی بھیک نہیں مانگ سکتی۔“ رانیہ یہ کہہ کر اپنے آنسو پونچھتی ہوئی اٹھ کر آفس سے باہر چلی گئی۔

”اب مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا ورنہ یہ لڑکی سچ مچ اس معاشرے کے ہاتھوں کھلونا بن جائے گی۔ تنہا ہو جائے گی ہمیشہ کے لئے۔“ مدحت نسیم نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا اور اپنا پرس کھول کر ڈائری میں کچھ تلاش کرنے لگیں۔

اگلے روز رانیہ اسکول میں اپنی کلاس کو پڑھا رہی تھی جب چپڑاسی نے اسے اطلاع دی کہ پرنسپل صاحبہ اسے آفس میں بلا رہی ہیں۔ بریک ٹائم ہونے والا تھا وہ کلاس کو پڑھنے کی تاکید کر کے پرنسپل مدحت نسیم کے آفس کی طرف چلی آئی وہ اسے آفس کے باہر ہی ٹہلتی مل گئیں۔

''خیریت آپی! آپ نے پہلے تو کبھی مجھے اس طرح نہیں بُلوایا؟'' رانیہ نے ان کے قریب پہنچ کر فکرمندی سے استفسار کیا۔

''رانیہ!'' ''تمہارے مہمان میرے آفس میں بیٹھے ہیں ان سے جا کر مل لو میں ذرا اسکول کا راؤنڈ لگا آؤں اور سنو رانیہ دوبارہ کوئی نادانی مت کرنا بیسٹ آف لک جاؤ شاباش۔'' مدحت نسیم نے نرمی سے کہا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے آفس میں جانے کا اشارہ کیا وہ ناسمجھی کے عالم میں دیکھتی ہوئی حیران حیران سی آفس میں داخل ہوگئی۔ دائیں جانب مہمانوں کو بٹھانے کا اہتمام تھا، صوفہ سیٹ رکھا ہوا تھا۔ وہاں رانیہ نے دیکھا ایک شخص اخبار اپنے سامنے پھیلائے بیٹھا تھا۔

''کون ہے یہ؟'' رانیہ نے خود سے سوال کیا۔ ''السلام وعلیکم!'' رانیہ نے آگے بڑھتے ہوئے اسلام کیا تو اس شخص نے فوراً اخبار اپنے چہرے کے سامنے سے ہٹا دیا۔ رانیہ کی نگاہوں کے سامنے جو چاند چہرہ تھا وہ اس کے وجود میں اپنی چاندنی یکا یک پھیلاتا چلا گیا۔

''وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!'' وہ خوشگوار لہجے میں جواب دیتا اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''مامون!'' رانیہ کے یاقوتی لب وا ہوئے۔

''جی مسز مامون! شہر شہر کی خاک چھانی تھی، آج کل یہاں بسیرا تھا۔ فضا میں تمہاری سانسوں کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی اور بالآخر ایک مہربان کے وسیلے سے میں تم تک پہنچ ہی گیا

نا۔ ڈھونڈ لیا ناں میں نے تمہیں۔" مامون ضیاء مجسم آنکھ بنا اسے دیکھتے ہوئے بہت نرم اور مسرور لہجے میں کہہ رہا تھا۔ رانیہ کی آنکھوں میں حیرت تھی زبان گنگ تھی، وہ بس اسے دیکھے جا رہی تھی جو آج بھی یوسف ثانی تھا، ہاں البتہ پہلے سے کچھ کمزور دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا لہجہ آج بھی نرم اور محبت سے پُر تھا جبکہ رانیہ سوچ رہی تھی کہ مامون ضیاء کو تین سال کی جدائی پر غصہ ہونا چاہئے تھا اور وہ اس کے خاموشی سے چھوڑ کر چلے آنے پر اتنے پیار سے مخاطب کر رہا تھا۔ یکا یک مامون کا ہاتھ اٹھا اور رانیہ سمجھی کہ وہ اسے تھپڑ مارنے لگا ہے، اس نے خوف سے آنکھیں میچ لیں اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب مامون کا ہاتھ اس کے دائیں رخسار پر نرمی سے آ کر ٹھہر گیا۔ رانیہ نے ایک عجیب سی تازگی اپنے اندر اترتی محسوس کی اور آنکھیں کھول کر اس کے چہرے کو دیکھا وہ محبت بھری شکایت کر رہا تھا۔

"کیوں کیا تم نے مجھ پر یہ ظلم؟

ہم تو مجبور وفا ہیں مگر اے جان جہاں

اپنے عشاق سے ایسے بھی کوئی کرتا ہے؟"

رانیہ کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا حتیٰ کہ وہ شدید نفرت اور بدگمانی جس کے سبب وہ اسے خاموشی سے چھوڑ آئی تھی وہ بھی کہیں نہیں تھی۔ وہ جانے کے لئے مڑی تو مامون نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"اب کہاں جا رہی ہو؟"

"میں اپنی کلاس لینے جا رہی ہوں۔" مری مری سی آواز اس کے حلق سے نکلی۔

"حالانکہ کلاس تو مجھے تمہاری لینی چاہئے۔" مامون کا معنی خیز جملہ اسے شرمندہ سا کر گیا وہ رُوبرو ہو کر سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں بولی۔

”ٹھیک ہے،تو لیں میری کلاس۔“

جواب میں مامون نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے ہالے میں لے کر اس کی پیشانی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کر دی۔

”مامون!“ وہ تڑپ کر بولی اور اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر ہٹایا۔ وہ اس کی محبتوں پر حیران تھی جو اس کی شدید نفرت اور تین سال کی بے رُخی اور لاتعلقی کے باوجود اس پر یوں اپنی محبت کے پھول نچھاور کر رہا تھا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ وہ تین برس بیچ میں آئے ہی نہ ہوں اور وہ رانیہ کی نفرت سے آگاہ ہی نہ ہو۔ یہ کیسی محبت تھی اسے رانیہ سے؟

”میں تو تمہاری زبان سے اپنا نام سننے کو ترس گیا تھا۔ آج تم نے میرا نام لیا ہے تو مجھے احساس ہوا ہے میں ابھی زندہ ہوں۔“ مامون نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے ہونٹوں کو نرمی سے چھوا۔

”پلیز آپ جایئے یہاں سے یہ اسکول ہے آپ کا بیڈ روم نہیں ہے۔“ وہ سٹپٹا کر بولی تو اس نے اس کیفیت و حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے پھر میں تم سے بیڈ روم میں ہی ملوں گا شام چار بجے تم سے تمہارے گھر پہ ملاقات ہوگی۔“

”گھر پہ......“

”ہاں تمہارا گھر میں دیکھ چکا ہوں، ٹھیک چار بجے آؤں گا او کے بائے۔“ مامون نے اس کی حیرانگی دور کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اس کا گال تھپتھپا کر وہاں سے چلا گیا اور وہ اپنا دل تھام کر وہیں صوفے پر ڈھے سی گئی۔ اس کا رواں رواں مامون کے محبت بھرے لمس کی حدت و حرارت سے جل رہا تھا۔ دل کی کیفیت بہت عجیب ہو رہی تھی۔ وہ اس

سے کچھ کہنے سننے کی حالت میں نہیں تھی سواس سے بچنے کے لئے اسکول کے بعد پہلے اپنی کولیگ اور دوست فرخندہ کے ساتھ مارکیٹ چلی گئی تا کہ ہفتے بھر کی سبزی بیکری کا سامان اور دیگر اشیاء خرید سکے وہ گھر آ کر کچن میں رکھنے کے بعد نہا کر تیار ہوئی نماز ادا کی اور تین بجے وہ نمائش دیکھنے چلی گئی۔ وہاں سے فارغ ہوئی تو مدحت نسیم کے گھر آ گئی، وہ مامون سے فرار اختیار کرنے کے لئے گھر جانے سے کترا رہی تھی، لیکن اس کے دل و دماغ میں مامون ہی گھوم رہا تھا۔ مدحت نسیم نے ہی بہت پہلے مامون کا وزیٹنگ کارڈ رانیہ کے پرس میں دیکھا تھا اور جانے کس خیال کے تحت انہوں نے مامون کے موبائل نمبرز، ای میل ایڈریس اور گھر و دفتر کے فون نمبرز اپنی ڈائری میں نوٹ کر لئے تھے اور انہوں نے ہی مامون سے فون پر رابطہ کر کے اسے رانیہ کے متعلق بتایا تھا۔ مامون جو ہفتے بھر سے اسلام آباد میں ہی تھا۔ کمپنی آفس سیٹ کرنے اور رانیہ کو تلاش کرنے کا خیال لے کر ہی وہ یہاں آیا تھا اور اسے ہر راستے میں ڈھونڈ رہا تھا۔ مدحت نسیم کی فون کال نے اسے زیست افروز خبر سنا کر پھر سے زندہ کر دیا تھا۔ اس کی لگن سچی تھی شاید اسی لئے اب قدرت کو اس کی حالت پر رحم آ گیا تھا اور اس نے مدحت نسیم کو رانیہ سے مامون کی ملاقات کا وسیلہ بنا دیا تھا۔

رات کے سوا نو بج رہے تھے۔ رانیہ کھانا مدحت نسیم اور ان کی کی فیملی کے ساتھ کھانے کے بعد اب گھر واپس جانا چاہ رہی تھی۔

”رانیہ بیٹا! رات یہیں رک جاتیں صبح تو چھٹی ہے نا۔“ مدحت نسیم کے شوہر ذاکر صمدانی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بولی۔

”جی بھائی، لیکن چھٹی والے دن مجھے گھر کے کام نپٹانا ہوتے ہیں اس لئے رک نہیں سکتی آپ پلیز مجھے گھر تک ڈراپ کر دیں۔“

"ہاں ذاکر آپ رانیہ کو چھوڑ آئیں اکیلی کیسے جائے گی یہ۔"

"ٹھیک ہے چلو بیٹا۔" ذاکر صمدانی گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے بولے اور رانیہ ان کے ساتھ چلی آئی جس وقت ذاکر صمدانی رانیہ کو فلیٹس کے احاطے میں ڈراپ کر کے جا رہے تھے، وہاں وہی آوارہ لڑکا کھڑا تھا اپنے جیسے ہی ایک اور لڑکے کے ساتھ وہ رانیہ کو سیڑھیاں چڑھتے دیکھ کر پیچھے چلا آیا اور خباثت سے بولا۔

"یہ سواری بادِ بہاری کہاں سے آ رہی ہے حسینو! شام کو بھی یہاں ایک بندہ تمہارا پوچھ رہا تھا، بڑا انتظار کیا بے چارے نے تمہارے گھر کے باہر ٹہل ٹہل کر...... اور تم اسے ٹائم دے کر اس گاڑی والے کے ساتھ ٹائم گزارنے چلی گئیں۔"

"بکواس بند کرو وہ بھائی ہیں میرے۔" رانیہ غصے سے بولی تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"او کیسا بھائی ہے یہ جو اپنی حوروں جیسی بہن کو تنہا رہنے کے لئے فلیٹ میں چھوڑ گیا ہے۔ بھائی کے گھر میں بہن کے لئے ایک کمرہ ایک بستر تک نہیں ہے...... ہاہاہا...... کیوں بے وقوف بناتی ہو۔ ایک رات ہمیں بھی دے دو۔"

"گھٹیا آدمی، ہٹو میرے راستے سے۔" رانیہ شرم اور غصے سے انگارہ ہوتے ہوئے بولی تو فلیٹوں میں رہنے والے ایک بزرگ کی آواز آئی۔

"اوئے ٹونی کے بچے تو نے پھر کمینگی شروع کر دی، ہٹ پرے جانے دے بچی کو ورنہ تیرا سر پھاڑ دوں گا۔"

"او بزرگو! اللہ اللہ کیا کرو، ہر آنے جانے والے پر نظر نہ رکھا کرو۔" ٹونی جو رانیہ کو پریشان کر رہا تھا نے بزرگ کو دیکھتے ہوئے چڑ کر کہا اور رانیہ موقع غنیمت جانتے ہوئے تیزی سے اپنے فلیٹ کی طرف دوڑی، لاک کھول کر اندر آتے ہی لاک اچھی طرح لگا دیا۔

"یا اللہ! مجھے اس شیطان کے شر سے محفوظ رکھنا۔"
رانیہ نے بے اختیار یہ دُعا مانگی اور چادر اُتار کر وہیں صوفے پر رکھنے کے بعد کچن میں آ کر پانی پیا، وضو وہ مدحت نسیم کے گھر پر ہی کر چکی تھی اب عشاء کی نماز ادا کر کے سونا چاہتی تھی کیونکہ آج سارا دن ادھر ادھر مٹر گشت کرتے کرتے وہ خاصی تھک چکی تھی اور اس وقت تو مامون کا خیال بھی اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ اس نے اپنے بیڈ روم میں داخل ہو کر لائٹ آن کی تو کمرہ سفید روشنی سے بھر گیا اور اس کی آنکھیں حیرت سے...... مامون ضیاء اس کے بیڈ پر نیم دراز تھا۔ آسمانی رنگ کے شلوار قمیض میں وہ بہت نکھرا نکھرا لگ رہا تھا اور لائٹ آن ہوتے ہی اٹھ بیٹھا تھا۔
"تم!" رانیہ کو پہلے ہی غصہ چڑھا ہوا تھا مزید تپ کر بولی۔
"ہاں میں...... میں نے کہا تھا ناں کہ پھر بیڈ روم میں ہی ملوں گا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا نظریں اس کے دھلے دھلے میک اَپ سے مبرا چہرے پر جمی تھیں۔
"تمہیں جرأت کیسے ہوئی میرے بیڈ روم میں آنے کی اور میرے بیڈ پر لیٹنے کی؟" وہ غصے سے بولی تو وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔
"میں تمہارا شوہر ہوں، میرا حق ہے تمہاری ہر چیز پر اور تم پر۔" مامون نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کی ٹھوڑی کو چھوا تو اس نے رُخ پھیر لیا۔
"تمہیں تو شام کو آنا تھا۔" رانیہ نے کہا۔
"شام کو ہی آیا تھا لیکن تم جان بوجھ کر گھر کو لاک لگا کر غائب ہو گئیں کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد میں نے مدحت آپی کو فون کیا۔ انہوں نے مجھے اپنے گھر بلا لیا وہاں چائے وغیرہ پینے کے بعد میں ان سے تمہارے فلیٹ کی ڈوپلی کیٹ چابی لے کر یہاں آ گیا۔ ویسے گھر اچھا سجایا

ہے تم نے اپنا اصل گھر یقیناً تم اس سے زیادہ خوبصورت سجاؤ گی ہے ناں۔'' مامون نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا وہ کچھ نہیں بولی چند لمحے اس کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد وہ خود ہی کہنے لگا۔

''تم تو کھانا کھا کر آئی ہو، میں نے بھی تمہارے کچن سے فریج سے ڈبل روٹی انڈے اور کباب نکال کر اپنی بھوک مٹالی تھی اب اگر تم اپنے ہاتھ کی بنی چائے پلا دو تو مزا آ جائے۔''

''زہر نہ پلا دو۔'' وہ غصے سے بولی۔

''جدائی کا زہر کیا کم تھا مجھے مارنے کے لئے ہوں۔'' مامون نے سنجیدگی سے کہا تو وہ نظریں چرا کر جانے لگی۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''دوسرے بیڈروم میں سونے جا رہی ہوں بہت تھک گئی ہوں میں۔''

''تو میں ہوں نا تمہاری تھکن دور کرنے کے لئے یہاں آؤ۔'' مامون نے شوخ و شریر لہجے میں کہتے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو وہ اس کے سینے سے آ ٹکرائی۔

''مون پلیز!'' وہ بے ساختہ بولی اور اس کے دل کے تار ہلا گئی۔

مامون کی نگاہ اس کی کلائی میں موجود اپنے اس پیار بھرے تحفے پر پڑی جو اس نے نکاح کے بعد رونمائی کے طور پر اسے کنگن کی شکل میں پہنائے تھے۔ مامون کے دل و روح میں خوشی اور اطمینان کے پھول کھلنے لگے۔ رانیہ کے دل میں اگر اس کے لئے گنجائش نہ ہوتی تو وہ اس کے اس تحفے کو اب تک اپنی کلائی سے کیوں لگائے رکھتی؟

''کب ختم ہوگی تمہاری یہ نفرت؟'' مامون نے نرمی سے پوچھا۔

''کبھی نہیں۔''

”بُری بات ایسے نہیں کہتے۔“ مامون نے بہت محبت سے کہتے ہوئے اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

”چھوڑو مجھے۔“

”اوں ہوں، تین برس کی تشنگی مٹانی ہے۔ کیسے چھوڑ دوں تمہیں، ہوں۔“ وہ بہت بے خودی کے عالم میں بولتا اسے اپنی محبت کے حصار میں یوں لیتا چلا گیا اور اپنا حق استعمال کرتا چلا گیا کہ وہ ذرا سی بھی مزاحمت نہ کر سکی اور رانیہ جواب تک اس رشتے کو ہی قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھی، مامون نے اسے اس رشتے کا حق استعمال کر کے اس سے ازدواجی تعلق استوار کر کے اسے بہت کچھ جتا دیا تھا، سمجھا دیا تھا، باور کرا دیا تھا۔

”ناشتہ ملے گا......“ صبح وہ کچن میں مصروف تھی کہ مامون مسرور سا آ کر کہنے لگا۔

”نہیں!“ رانیہ نے اس کی طرف دیکھے بنا خفگی سے جواب دیا۔

”خفا کیوں ہو؟“ مامون نے پاس آ کر اس کے گیلے بالوں کو چھوا۔

”زیادہ معصوم اور انجان بننے کی ضرورت نہیں ہے اچھا۔“ رانیہ نے اسی لہجے میں کہتے ہوئے فریج میں سبزی کا شاپر نکالا وہ ہنس پڑا اور پھر پیار سے اسے سمجھانے لگا۔

”پگلی! اس میں خفا ہونے کی نہیں، خوش ہونے کی ضرورت ہے کہ تمہارا شوہر تم سے کتنی شدید محبت کرتا ہے۔ تمہاری تین برس کی بے رُخی اور جدائی کے باوجود تمہیں اپنے دل کے قریب محسوس کرتا ہے، تم پر جان چھڑکتا ہے۔“

”آپ جائیں یہاں سے۔“ وہ چولہا جلاتے ہوئے بولی۔ وہ سچ ہی تو کہہ رہا تھا، رانیہ کا دل مان رہا تھا مگر دماغ الجھ رہا تھا۔

”میں اگر اب چلا گیا نا تو واپس کبھی نہیں آؤں گا، سوچ لو رانیہ، تم اگر ساری زندگی میرے

نام سے جڑ کر رہنا چاہتی ہو تو دور کیوں رہو، میرے ساتھ میرے پاس، میرے قریب بھی رہ سکتی ہو نا...... کبھی اپنی آنکھیں بند کر کے محسوس کرنا تمہیں میں یہاں اس دل میں دھڑکتا ہوا محسوس ہوں گا۔"

مامون نے پیار سے کہتے ہوئے اس کے دل پر ہاتھ رکھا تو اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا، دل جیسے پورے بدن میں دھک دھک کر رہا تھا۔

رانیہ نے پراٹھے کے لئے توا چولہے پر رکھ دیا۔

"آپ نہیں بدل سکتے۔" رانیہ نے کہا۔

"تمہارے ساتھ تو میں واقعی کبھی نہیں بدل سکتا، ہمیشہ ایسا ہی رہوں گا پیار کا بادل بن کر۔" مامون نے اس کے شانے پر اپنی ٹھوڑی رکھ کر کہا۔

"کیا کر رہے ہیں خود بھی جلیں گے اور مجھے بھی جلائیں گے۔" رانیہ نے بری طرح بوکھلا گئی چیخ کر بولی۔

"تم بھی تو تین سال سے یہی کر رہی ہو، خود بھی جل رہی ہوں اور مجھے بھی جلا رہی ہو۔" مامون نے معنی خیز بات کہی وہ سلگ گئی۔

"ناشتہ کرنا ہے تو لاؤنج میں جا کر بیٹھیں اور اگر نہیں کرنا تو بھی جائیں مجھے بہت کام کرنا ہے ابھی۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"تین سال بعد شوہر سے ملی ہو، شوہر گھر آیا ہے اور تم یہ کام پھیلا کر یہاں مصروف ہو گئیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے اور جانتی ہو تین سال سے میں نے انڈہ پراٹھا ناشتے میں نہیں کھایا، تمہارے ہاتھ کا ذائقہ نہیں بھلانا چاہتا تھا میں اس لئے کسی اور کے ہاتھ کا بنا پراٹھا بھی نہیں کھایا آج اپنے ہاتھوں سے وہی ناشتہ بنا کر کھلاؤ نا۔" مامون نے پیار بھرا شکوہ کرتے

ہوئے کہا کوئی اور موقع ہوتا تو رانیہ اپنی خوش بختی پر رشک کرتی لیکن وہ مامون کو اپنی رسوائی کا ماں باپ کی موت کا ذمہ دار سمجھتی تھی، اس لئے اس کی پیار بھری باتیں اسے سچی اور حقیقی خوشی نہیں دے سکتی تھیں۔

''اچھا! تو آپ انڈہ پراٹھا نہ کھانے کے سبب سلم ہوئے ہیں میں سمجھتی تھی شاید......'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر فریج میں سے آٹا جو اس نے گوندھ کر رکھا تھا نکالنے لگی۔

''شاید نہیں...... یقیناً تمہاری جدائی کے غم میں گھل کر یہ حال ہوا ہے میرا، خیر اب تو تم مل گئی ہو نا میں تو خوشی سے ہی پھول جاؤں گا۔''

''ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' رانیہ نے توجہ دلائی۔

''آؤ میرے ساتھ ناشتہ کرو۔''

''میں نے کر لیا ہے۔''

''ہمیشہ کی طرح دودھ کا ایک گلاس ہی پیا ہو گا۔'' مامون نے کہا تو اس نے حیرت سے اسے دیکھا جو تین سال کی جدائی کے باوجود اس کی عادت سے واقف تھا۔ اس کی حیرت کو مامون نے بھی محسوس کر لیا تھا مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ''تمہاری ہر عادت، ادا پسند ناپسند مجھے آج بھی ازبر ہے لیکن کبھی کبھار روٹین سے ہٹ کر بھرپور ناشتہ کر لینا چاہئے اس سے کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو جاتی ہے۔''

''آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟''

''تین سال میں سب بھول گئیں کہ میں کیا چاہتا ہوں رانیہ! تم اپنی مرضی سے مجھے چھوڑ کر گئی تھیں ناں تم کیا جانو محبت کی جدائی کیسے جاں گسل اور قیامت خیز ہوتی ہے، کیسا کرب جھیلا ہے میں نے تمہارے غم میں، کتنا تڑپا، سسکتا اور بلکتا رہا ہوں میں تمہاری اس نفرت انگیز

لاتعلقی اور دوری کے سبب، محبت تو میں نے کی تھی ناں تم سے، اس لئے سزا بھی مجھ کو ہی ملی ہے تم نے مجھ سے کب محبت کی تھی، کرتیں تو یوں جدا ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اگر تمہارے دل میں میرے لئے کوئی سوفٹ کارنر نہیں تھا تو میرے نام پر ساری زندگی گزارنے کے لئے کیوں غائب ہو گئی تھیں تم؟ مجھ سے وہ نکاح کا بندھن توڑ کیوں نہ لیا تم نے تاکہ کسی اور شخص سے شادی کر کے اپنا گھر بسا سکو بولو؟" مامون نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ناشتہ ختم کر لیا تھا اُس نے۔

"میری زندگی میں ایک مرد نے کیا کم آفتیں اور مصیبتیں نازل کی ہیں جو میں کسی دوسرے مرد کو اپنی زندگی کا اختیار سونپنے کی حماقت کروں گی۔"

"آفتیں اور مصیبتیں نہیں چاہتیں اور محبتیں کہو۔" مامون نے مسکراتے ہوئے پیار سے کہا۔

"آپ جائیں یہاں سے۔" وہ جھلا کر بولی۔

"اب چلا گیا تو واپس کبھی نہیں آؤں گا۔"

"کیا مصیبت ہے؟" رانیہ نے الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھا اور اپنے کمرے میں چلی آئی چادر اُتار کر وارڈ روب میں رکھی اور خود کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"رانیہ..... تم غلط کر رہی ہو مامون کو دل سے اپنا لو اس لئے کہ تم ہمیشہ سے اس کی منتظر رہی ہو، جانے انجانے اس کا خیال تمہیں بے چین کرتا رہا ہے دل نے ہمیشہ اسے اپنے پاس دیکھنے کی خواہش کی ہے۔" غصہ اور غم، بدگمانی کا طوفان تھم گیا تو مامون اتنا بے ضرر، معصوم اور مخلص لگنے لگتا کہ اس پر پیار آنے لگے۔ "ہاں میں نے ہمیشہ اس حقیقت کو، اس احساس اور جذبے کی موجودگی کو جس کو میں کوئی نام نہیں دے سکتی اسے ہمیشہ جھٹلایا ہے، نظریں چرائی ہیں مگر نظروں میں بسی مامون کی صورت کو میں اپنی تمام تر نفرت کے باوجود کبھی مٹا نہ سکی۔ شاید اس

کی محبت کی شدت نے میری نفرت کی حدت کو ختم کر دیا ہے۔ تو کیا مجھے مامون کے ساتھ چلے جانا چاہئے مگر مامون کی ممی وہ مجھے کبھی قبول نہیں کریں گی اور اس کی وجہ بھی تو خود مامون ہی ہے جس کی وجہ سے میں محلے، خاندان اور شہر بھر میں آوارہ اور بدکردار کہلائی گئی، بدنام اور رسوا ہوئی، میں اپنی عزت کے اعتبار اور کردار کے قاتل کو کیسے معاف کردوں؟ کیسے قبول کرلوں اسے؟ کیسے اپنی ساری زندگی اسے سونپ دوں؟ نہیں میں اسے معاف نہیں کروں گی۔" رانیہ خود سے سوال جواب کرتے ہوئے بولی اور پھر مامون کو کھری کھری سنانے کے ارادے سے کمرے سے باہر نکلی تو وہ جاچکا تھا۔

"چلا گیا ناراض ہو کر گیا ہے شاید میں نے کتنا دھتکارا ہے اسے، ذلیل کیا ہے، اس کے محبت بھرے ہاتھوں کو نفرت سے جھٹکا ہے، تین سال بعد وہ مجھے ڈھونڈتا ہوا آیا تو میں نے اب بھی اسے اپنی بے رُخی اور بے حسی سے ہرٹ کیا ہے یہاں سے چلے جانے کے لئے کہا ہے۔ اتنی ناقدری اور تذلیل کے بعد یقیناً اب وہ یہاں میرے پاس آنے کی ہمت بھی نہیں کر سکے گا، لیکن میرا دل کیوں رو رہا ہے؟"

وہ سوچتی الجھتی بالکونی کی طرف آئی، نیچے دیکھا مامون کہیں نظر نہیں آیا پھر دروازہ کھول کر باہر نکلی تو سیڑھیوں میں ٹونی اور اس کے دوست خالد کو کھڑا دیکھ کر رک گئی۔ ان دونوں نے اسے دیکھ کر سیٹیاں بجائیں۔

"وہ ہیرو تو چلا گیا ہے کہو تو ہم آ جائیں دل بہلانے کو۔" ٹونی نے بے حیائی سے کہا تو وہ اس پر نفرت بھری نگاہ ڈال کر واپس اپنے فلیٹ میں آ گئی اور دروازہ لاک کر لیا۔

"یہ کمینے تو میرے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں، میں کیا کروں کہاں جاؤں؟" وہ پریشانی سے باآواز بول رہی تھی۔

''اپنے حقیقی شوہر کے پاس جاؤ وہی تمہارا اصل محافظ اور حقیقی پناہ گاہ ہے۔ عورت مرد کے بغیر اس معاشرے میں اکیلی نہیں جی سکتی۔ ٹونی اور خالد جیسے مرد اکیلی عورت کا جینا حرام کردیتے ہیں اور اکیلی عورت اور لڑکی تو کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہوتی ہے جسے ہر کوئی لوٹنے کو دوڑتا ہے۔ تم کب تک ان آوارہ لڑکوں سے بچ سکوں گی اگر کسی رات تمہارے گھر میں انہوں نے نقب لگالی تو جو عزت تم ابھی تک بچاتی آئی ہو وہ بھی لٹا بیٹھو گی، پھر تو تمہارے جینے کا بھی کوئی جواز، کوئی راستہ باقی نہیں بچے گا۔ کب تک دوسروں کے رویوں کے سبب اپنی زندگی کو ذلت ورسوائی کے حوالے کرتی رہو گی؟'' رانیہ کے دماغ نے اسے سمجھایا، ضمیر نے حقیقت کا رنگ دکھایا تو وہ پریشان ہوگئی۔

''یا اللہ! میں کیا کروں، میری مدد اور رہنمائی فرما، مجھے سیدھا اور صحیح راستہ دکھا۔'' رانیہ نے روتے ہوئے دُعا مانگی۔

اگلے دن پہلا روزہ تھا، رانیہ نے پورے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز روزے اور عبادت کا اہتمام کیا اور اپنے لئے اپنے بہتر اور خوشگوار مستقبل کے لئے دعائیں مانگیں۔ رمضان کی وجہ سے اسکول میں ساڑھے بارہ بجے ہی چھٹی ہوجاتی تھی اسے مدحت نسیم ہی اسکول پک اور ڈراپ کرتی تھیں۔ کئی روز سے ٹونی اور خالد بھی اسے کہیں نظر نہیں آئے تھے تو اس نے مطمئن ہوکر سوچا۔

''شکر ہے کہ رمضان میں شیطان باندھ دیئے جاتے ہیں۔''

پندرہ روزے خیریت سے گزر گئے۔ رانیہ کو محلے کے ان بزرگ صوفی صاحب سے معلوم ہوا کہ ٹونی اور خالد کا ون ویلنگ کرتے ہوئے ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا اور وہ اب تک ہسپتال میں زیرِ علاج ہیں۔ رانیہ نے یہ سن کر خدا سے ان کی ہدایت کی دُعا کی تھی۔

"آج بیسواں روزہ تھا۔ رانیہ اور مدحت نسیم عید کی شاپنگ کرنے نکلی تھیں، مدحت نسیم تو کپڑے، جوتے وغیرہ سب گھر والوں کے لئے خرید چکی تھیں صرف جیولری وغیرہ خریدنے کا ارادہ تھا ان کا اصل مقصد تو رانیہ کو عید کی شاپنگ کے لئے لانا تھا جس نے ابھی تک کچھ نہیں خریدا تھا۔ نجانے کیوں اس کا دل بجھا بجھا سا تھا۔ اسے مامون رہ رہ کر یاد آرہا تھا اور وہ یہ ماننے سے انکاری تھی کہ اسے مامون سے محبت ہوگئی۔ بے قراری سی تھی۔ اسے آج کل یہ احساس شدت سے بے چین کئے رکھتا تھا کہ اس نے مامون ضیاء کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے اسے بہت ہرٹ کیا ہے، اس کی بہت ہتک کی ہے اور ناحق کی ہے، غلط کیا ہے اس کے ساتھ۔"

"رانیہ یہ تم ہی ہونا۔" رانیہ اپنے لئے جوتے پسند کر رہی تھی تب ایک مانوس سی آواز اس کے کان میں پڑی تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ رومانہ تھی اس کی کزن، دوست اور کلاس فیلو، رخسانہ مجید کی چھوٹی بیٹی۔

"رومانہ تم!" رانیہ خوشی سے مسکراتے ہوئے اٹھ کر اس سے گلے لگ گئی۔

"کہاں چلی گئی تھیں تم، مامون بھائی تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے، کتنے دکھی اور آزردہ ہوگئے تھے وہ تمہارے یوں چلے جانے سے۔" رومانہ نے بھیگتی آواز میں کہا تو وہ اس سے الگ ہوکر سنجیدگی سے بولی۔

"مامون نے میرے وہاں رہنے کے لئے چھوڑا ہی کیا تھا؟"

"میرا خیال ہے کہ ہم سامنے اس پارک میں بیٹھ کر بات کریں تو زیادہ مناسب ہے۔" مدحت نسیم نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا تو دونوں نے ان کی بات کی تائید کی اور ان کے ساتھ چلتی ہوئی پارک میں آگئیں۔

''رانیہ، تم بہت بڑی سازش اور غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھیں اور مجھے بہت شرمندگی اور افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے تم نے اپنی زندگی کے تین قیمتی اور خوبصورت برس ضائع کر دیئے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا تو کیا میں مامون کو دل سے قبول کر لیتی جو میری عزت کا قاتل اور میرے ماں باپ کی موت کا ذمے دار ہے؟'' رانیہ نے رومانہ کی بات سن کر تلخی سے کہا مگر دل میں دہائی مچ گئی تھی وہ تو اب مامون کو مجرم ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔

''رانیہ! تمہارا مجرم مامون ضیا نہیں ہے بلکہ تمہاری ممانی اور میری ماں ہے۔''

''کیا؟'' رانیہ کا سر چکرا گیا۔

''ہاں رانیہ یہ سب امی نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔ مامون بھائی بہت معصوم ہیں، بے گناہ ہیں، وہ تو بہت مخلص تھے تمہارے ساتھ امی نے ......۔''

رومانہ اسے دھیرے دھیرے الف سے ی تک ساری حقیقت بتاتی چلی گئی۔ جسے سننے کے بعد رانیہ اپنا دل تھام کر بینچ پر ڈھے گئی اور روتے ہوئے بولی۔

''او میرے خدایا! یہ میں نے کیا کیا، ایک مخلص انسان کو ہرٹ کیا، دکھی، پریشان اور آزردہ کیا، رد کیا۔ یا اللہ! یہ مجھ سے کیا ہو گیا۔ میں نے مامون کو...... اب بھی ٹھکرا دیا اب جب کہ وہ مجھ تک پہنچ گئے تھے...... وہ پھر نہیں آئے۔''

''رانیہ! تم مامون بھائی کے پاس لوٹ جاؤ، وہ آج بھی تمہارے منتظر ہیں۔ امی نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا تھا اس کی انہیں کافی سزا مل چکی ہے، دونوں بھائیوں نے اپنی پسند کی لڑکیوں سے شادیاں کر لیں، شبانہ آپی کی شادی انور صغیر سے امی نے کرائی تھی لیکن وہ تصویر انور بھائی نے میرے البم میں دیکھ لی تھی اور جب انہیں حقیقت معلوم ہوئی تو انہیں بہت دکھ ہوا کہ وہ امی کی باتوں میں آ کر تمہیں گنوا بیٹھے۔ انہوں نے شبانہ آپی کو طلاق دے دی تھی۔

شبانہ نے اپنے کلاس فیلو سے کورٹ میرج کرلی اور مجھے ابو نے اپنے ایک دوست کے بیٹے عاصم سے بیاہ دیا۔ تین ماہ ہوئے ہیں میری شادی کو میرے شوہر بہت اچھے ہیں۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ اس لئے مجھے میکے زیادہ نہیں جانے دیتے کہ کہیں امی مجھے الٹی سیدھی پٹی نہ پڑھا کر بھیجیں۔ اب تو امی رو رو کر خدا سے معافی مانگتی ہیں ابو اور شبانہ آپی انہیں طعنے دیتے رہتے ہیں۔ امی کو تمہاری بہت شدت سے تلاش ہے وہ تم سے معافی مانگنا چاہتی ہیں۔ پلیز رانیہ اپنا گھر بسالو مامون بھائی کو اپنا لو، وہ بہت عظیم انسان ہیں۔ ساری دنیا نے تمہیں بُرا کہا اور سمجھا مگر وہ آج تک تمہیں پاکیزہ کردار کی مالک سمجھتے ہیں۔ انہوں نے انور صغیر کی طرح ان تصویروں پر اعتبار نہیں کیا۔ ان کی ممی کو بھی امی نے ہی تمہارے خلاف بھڑکایا تھا ورنہ وہ تو تمہارا رشتہ مانگنے آرہی تھیں۔" رومانہ مزید انکشافات کررہی تھی۔

"میں تو پہلے ہی مامون کو انکار کر چکی تھی ممانی نے کیوں کیا ایسا۔ کیا شبانہ آپی کو انور صغیر سے اچھا رشتہ نہ مل پاتا۔ ویسے ہی وہ کہتیں تو میں انکار کردیتی اس رشتے سے بھی...... مجھے بدنام تو نہ کیا ہوتا۔" رانیہ نے روتے ہوئے بولی۔

"رانیہ پلیز امی کو معاف کردو۔" رومانہ نے روتے ہوئے کہا، مدحت نسیم بینچ پر بیٹھی ساری باتیں سن رہی تھیں۔ انہیں دکھ بھی ہو رہا تھا کہ رانیہ کی سگی ممانی نے اس کے ساتھ اتنا بُرا سلوک کیا تھا لیکن خوشی انہیں اس بات کی تھی کہ رانیہ کو مامون کے متعلق جو بدگمانیاں تھیں وہ اب دور ہو گئی تھیں۔

"میں انہیں صرف اسی صورت میں معاف کرسکوں گی جب وہ اپنی اس گھٹیا حرکت کا اعتراف پورے خاندان کے سامنے کریں گی۔ جن جن لوگوں میں انہوں نے مجھے رُسوا کیا تھا انہیں وہ یقین دلائیں کہ رانیہ باکردار اور بے قصور تھی۔ تب میں انہیں معاف کروں گی۔"

رانیہ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''رانیہ! خاندان اور محلے والوں کو حقیقت معلوم ہو چکی ہے وہ سب بھی امی کو بہت کوستے ہیں، بُرا بھلا کہتے ہیں۔ سب اپنے روّیوں پر نادم ہیں، پلیز ہم سب کو معاف کر دو اور واپس چلو۔'' رومانہ نے اس کا ہاتھ تھام کر منت بھرے لہجے میں کہا۔

''میں تو تم سب کو معاف کر دوں گی، ٹھیک ہے میں نے معاف کیا تم سب کو معاف کیا...... لیکن کیا میرا شوہر مامون ضیاء مجھے معاف کر سکے گا، میں نے اس کے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہیں کیا۔ میں تو اس سے نظر ملا کر بات کرنے کے قابل بھی نہیں رہی...... ہمیشہ اپنی ہی سناتی رہی، کبھی اس کی سنی ہی نہیں۔'' رانیہ! اب احساس ندامت اور احساس جرم سے چُور ہو چکی تھی۔ دکھ سے بھیگتی آواز میں بولی تو رومانہ نے کہا۔

''وہ پیار کرتے ہیں تم سے، تمہیں ضرور معاف کر دیں گے۔''

''ملیں گے تو معاف کریں گے ناں۔'' رانیہ روتی ہوئی بولی اور مدحت نسیم کی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

''یہ میرا فون نمبر اور ایڈریس رانیہ کو دیجئے گا۔''

رومانہ نے اپنے سسرال کا پتہ وغیرہ ایک چٹ پر لکھ کر مدحت نسیم کو دے دیا۔ انہوں نے بھی پرس میں سے اپنا کارڈ نکال کر اسے تھما دیا اور دونوں اپنی اپنی راہ کو چل دیں۔

مدحت نسیم اس وقت رانیہ کو اکیلے میں سوچنے سمجھنے کا موقع دینا چاہتی تھیں اس لئے اس کی ابتر ہوتی حالت کے باوجود اسے اس کے فلیٹ پر چھوڑ کر چلی گئیں۔ رانیہ اپنے بیڈروم میں آ کر اس بری طرح روئی کہ در و دیوار اہل گئے۔ اُسے محبت کے کھو جانے کا غم مارے ڈال رہا تھا۔ دل سے بدگمانی کے بادل چھٹے تو مامون کی صورت پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگانے

لگی، روح بے کل و بے قرار تھی۔ اسے آج اپنے اندر موجود مامون کی محبت کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ وہ اس کے پہنائے ہوئے کنگن ہونٹوں سے لگا کر رو رہی تھی۔ اس کو قدم قدم پر ٹھکرایا تھا اس نے، اس کے محبت سے اپنی طرف بڑھتے ہاتھوں کو نفرت سے جھٹکا تھا۔ اس کے حقوق تک ادا نہیں کئے تھے۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بنا کر جو رشتہ اس سے جوڑا تھا اسے دل سے قبول کرنے سے انکار کرتی رہی تھی۔ وہ تو اپنی محبت اور اس کی ماں کی وصیت آج تک نبھار رہا تھا۔ اس نے اللہ کو بھی ناراض کیا تھا شوہر کے حقوق پورے نہ کرکے، اس کی ماں نے تو اسے رخصت کیا تھا مامون کے ساتھ اور وہ شوہر کو نظر انداز کر کے گناہ کی مرتکب ہوئی تھی۔ لعنت ملامت اپنے حصے میں لکھوائی تھی فرشتوں کی...... رانیہ کو اپنا ہر رویہ اور مامون کا ہر عمل یاد آ رہا تھا اور اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا۔ شرم محسوس ہو رہی تھی کہ وہ اتنی سنگدل، بے رحم اور بری کیسے بن گئی تھی کہ اتنے نفیس اور مخلص انسان کی محبت کو اس کے جذبے کی سچائی تک کو نہ پہچان سکی۔ رانیہ کو جہاں اپنے رویے اور سلوک کی بدصورتی پر ملال تھا وہاں یہ فخر بھی محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک عظیم محبت اور عزت کرنے والے شخص کی محبت ہے، اس کی شریک حیات ہے، دنیا میں مامون جیسا شاید ہی کوئی مرد ہوگا جو اپنی محبت پر اپنی جیون ساتھی پر اس قدر اندھا اور گہرا اعتبار اور یقین کرتا ہوگا۔ رانیہ کو یہ احساس خوشی سے ہمکنار کر رہا تھا اور مامون کا دل دکھانے کا گناہ شرمندگی سے دوچار کر رہا تھا۔

”مامون پلیز مجھے معاف کر دیں۔ پلیز لوٹ آئیں میرے پاس، میرے دل میں آپ کے سوا کبھی کوئی نہیں رہا، جبھی تو میں نے آپ کا نام اپنے نام سے جڑا رہنے دیا۔ میں نہیں مانتی تھی لیکن آج مان رہی ہوں میں آپ سے محبت کرتی ہوں شدید محبت۔ بس ایک بار آ جائیں پھر میں معافی مانگ لوں گی۔ پلیز...... میں بہت بُری ہوں......“ رانیہ نے روتے ہوئے کہا

اور نجانے کب تک روتے روتے بالآخر وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

اگلے دو دن تک وہ بخار میں سلگتی رہی، احساسِ جرم اور احساسِ ندامت اسے کسی پل چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ مدحت نسیم اور ان کے شوہر ذاکر صمدانی ڈاکٹر کو لے کر آئے اس کا چیک اَپ کرایا دوائیں لا کر دیں۔ مدحت نسیم کو اس کی بیماری کا سبب معلوم تھا اپنے شوہر کو بھی وہ ساری بات بتا چکی تھیں۔ انہوں نے مامون سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی حالانکہ مامون اب اسلام آباد میں ہی کمپنی آفس سیٹ کرنے کے بعد نئے گھر میں شفٹ ہو گیا تھا جو اسے کمپنی کی طرف سے ہی دیا گیا۔ مدحت نسیم چاہتی تھیں کہ اب رانیہ خود مامون سے رابطہ کرے، اُسے بُلائے، اُسے منائے اور اس کے ساتھ ہنسی خوشی اپنے گھر چلی جائے...... اسکول عید کی چھٹیوں کی وجہ سے بند ہو چکا تھا۔ رانیہ نے گھر کو صاف ستھرا رکھا ہوا تھا۔ عید کی تیاریوں میں اس بار تو اس کا دل بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ روزے رکھ رہی تھی اور نماز میں رو رو کر اللہ سے مامون کے ساتھ روا رکھے گئے اپنے سلوک پر معافی مانگتی۔ اس کے ساتھ کی، اس کے پیار، اعتبار کی دعائیں مانگتی۔ آج انتیسواں روزہ تھا۔ مدحت نسیم اور ذاکر صمدانی دوپہر اسے گھر آ کر اپنا سامان پیک کرنے کا کہہ گئے تھے۔ چاند نظر آنے کی صورت میں وہ اسے اپنے گھر عید منانے کے لئے جانا چاہتے تھے۔ ان تین برسوں میں جتنی بھی عیدیں آئی تھیں رانیہ نے ان کی فیملی کے سنگ ہی منائی تھیں اور آج رانیہ سوچ رہی تھی کہ اگر مدحت نسیم نہ ہوتیں تو وہ کس کے پاس اپنا گھر اور شہر چھوڑ کر آتی، وہ اتنی شفیق اور مہربان نہ ہوتیں تو یہ تین برس وہ کیسے اتنے سکون سے گزار سکتی تھی۔ انہوں نے اسے سگی بہن کی طرح رکھا تھا۔ اسے گھر کا تحفظ، بہن کا پیار، دوست کی محبت اور رازداری کے قابل بنایا تھا۔ وہ جب تک ان کے ساتھ رہ رہی تھی اسے کوئی فکر نہیں تھی وہ فلیٹ میں اکیلی آ کر رہنے لگی تو تب اسے عدمِ تحفظ اور اکیلے پن کا،

عزت کا خوف لاحق ہوگیا تھا۔ وہ مدحت نسیم، ذاکر صمدانی اور فرحت نسیم کی بے حد ممنون اور احسان مند تھی کہ جن کی محبتوں، عنایتوں اور شفقتوں کے طفیل آج اس کی جان اور آن سلامت تھی ان سب کے لئے رانیہ کے دل سے دعائیں نکلتی تھیں...... رانیہ نے اپنا ضروری سامان ایک سوٹ کیس میں پیک کرنے کے بعد شیر خورمہ اور چکن قورمہ تیار کرلیا، شامی کباب فریزر میں موجود تھے، وہ خالی ہاتھ مدحت نسیم کے گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس لئے اپنے ہاتھ سے عید کے پکوان پکا کر لے جارہی تھی۔

روزہ کھلنے میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ وہ نہا کر تیار ہوگئی، سفید شلوار اور لیمن کلر کی قمیض دوپٹے جس پر سفید لیس دھاگے اور موتیوں کا نفیس کام کیا ہوا تھا میں وہ بغیر میک اَپ کے بے حد جاذب نظر اور دلنشین دکھائی دے رہی تھی۔ گیلے بالوں کو ہیئر بینڈ میں بیک کومب کر کے کھلا چھوڑنے کے بعد وہ چاند دیکھنے کے خیال سے بالکونی میں آ کھڑی ہوئی۔ اس کی نگاہ آسمان پر تھی۔ اسی وقت مغرب کی اذان شروع ہوگئی اور روزہ کھلنے کا سائرن بجنا شروع ہوا تو وہ پلٹنے لگی اور نگاہ نیچے سڑک پر کھڑے ٹونی اور خالد پر پڑ گئی۔ وہ دونوں شیطان بھی اسی کو دیکھ رہے تھے۔ اس کی نظر پڑتے ہی ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سلام کیا تھا۔

''یہ تو واقعی شیطان ہیں جو رمضان کا بابرکت مہینہ ختم ہوتے ہی پھر سے کُھل گئے ہیں۔ ہسپتال میں پٹیوں میں جکڑے پڑے تھے عین عید پر رسیاں تڑوا کر آگئے ہیں...... خیر مجھے کیا میں نے کونسا یہاں عید منانی ہے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک ذاکر بھائی مجھے آ کر لے جائیں گے۔'' رانیہ نے اندر آتے آتے سوچا اور روزہ افطار کر کے مغرب کی نماز ادا کی، مامون کی واپسی کی دل میں دعا مانگی۔ نماز سے فارغ ہو کر کچن کا سامان سمیٹ دیا۔ اسی وقت ڈور بیل بج گئی۔

''ذاکر بھائی اور مدحت آپی ہوں گے۔'' رانیہ نے یہی سوچ کر بنا پوچھے دروازہ کھول دیا

مگر نگاہوں کے سامنے برابر والے فلیٹ کی مسز اسلم، سامنے والے فلیٹ کی مسز طفیل اور ان کے پیچھے ان کے شوہر اور ٹونی اور خالد بڑے سازشی انداز میں مسکرا رہے تھے۔

''جی فرمایئے!'' رانیہ نے حیرانگی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا پہلے تو وہ کبھی نہیں آئے تھے۔اس کے فلیٹ میں اسے دیکھ کر آپس میں کھسر پھسر ضرور کرتے تھے یہ لوگ لیکن رانیہ نظر انداز کر جایا کرتی تھی۔

''عید کا چاند نظر آ گیا ہے لیکن تم یہ مت سمجھنا کہ ہم تمہیں عید کے چاند کی مبارک باد دینے کے لئے آئے ہیں۔'' مسز اسلم نے تکبر سے کہا اور اسے پرے ہٹاتے ہوئے اندر داخل ہو گئیں۔باقی سب نے بھی ان کی پیروی کی۔

''تم دونوں میرے گھر میں قدم رکھنے کے لائق نہیں ہو باہر نکلو یہاں سے۔'' رانیہ نے ٹونی اور خالد کو دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔

''پہلے انہیں تو باہر نکالو جنہیں اندر چھپا رکھا ہے عید پر یہاں کون سا کھیل کھیلنے کا ارادہ ہے کس کس کو چاند رات میں بُلا رکھا ہے۔'' ٹونی نے کمینگی سے مسکراتے ہوئے کہا تو رانیہ کا خون کھول اٹھا۔

''تم جیسے خود گھٹیا اور کمینے ہو ویسی ہی تمہاری سوچ ہے اور ویسا ہی تم دوسروں کو بھی سمجھتے ہو، یہاں میں اکیلی رہتی ہوں، یہ بات پوری بلڈنگ کو معلوم ہے۔'' رانیہ نے غصے سے کہا۔

''لڑکی ہماری بلڈنگ شریفوں کی بلڈنگ ہے، یہاں کوئی جوان لڑکی اکیلی کسی فلیٹ میں نہیں رہتی اور اس سے آئے دن مرد بھی ملنے نہیں آتے، ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کیسے جوان مرد یہاں آتے ہیں، ایک تو مجھے اچھی طرح یاد ہے مہینہ بھر پہلے یہاں رات گزار کے گیا تھا بلکہ دن بھر یہیں تھا۔وہ تو کئی بار یہاں نظر آیا ہے۔''

مسز طفیل نے عامیانہ لہجے میں کہا تو رانیہ سمجھ گئی کہ ان کا اشارہ مامون کی طرف ہے۔ وہ ان لوگوں کی سوچ پر تانک جھانک پر حیران تھی کہ کس طرح وہ اسے اور اس کے گھر کو ننگا ہوں میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ ان کی سوچ پر روّیے پر شرم سے زمین میں گڑی جا رہی تھی۔ آج اس لمحے اسے پوری شدت سے اپنے لڑکی اور وہ بھی اکیلی لڑکی ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔

"ہم نے بھی دیکھا ہے نت نئے جوان آتے ہیں تمہارے فلیٹ پر تمہارا کردار مشکوک ہے لڑکی۔" مسز طفیل نے کہا۔

"ہاں اور ہم اکیلی لڑکی کو اپنی بلڈنگ میں یہ گُل کھلانے کی اجازت نہیں دیں گے۔" مسٹر اسلم نے بھی زبان کھولی۔

"ہمیں تو غصے اور نفرت سے دھتکارتی ہے نیک پارسا بن کر دکھاتی ہے اور......" ٹونی نے کہا۔

"بکواس بند کرو۔" رانیہ غصے سے چلائی اسے تین سال پہلے والی منگنی کی شام یاد آ رہی تھی تب بھی وہ بے قصور ہوتے ہوئے مجرم قرار دے دی گئی تھی، رسوا اور بدنام کر دی گئی تھی اور اب بھی وہ بے گناہ، بے قصور تھی اور اس کے کردار پر کیچڑ اُچھالی جا رہی تھی۔

"آج تو فیصلہ ہوگا۔" خالد نے کمینگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یا اللہ! میری مدد فرما۔" رانیہ نے دل میں دُعا مانگی اور اس کی دُعا کی قبولیت کا وقت تھا شاید کہ مامون نے اس وقت دروازے سے اندر قدم رکھا۔

"کیا ثبوت ہے تمہارے پاس اپنے الزامات کا؟" رانیہ نے سپاٹ لہجے میں پوچھا تو ٹونی اور خالد کی نظر مامون ضیاء پر پڑ گئی۔

"ثبوت...... لو جی ثبوت تو خود ہی چل کر آ گیا ہے۔" ٹونی نے مامون کو دیکھتے ہوئے

فاتحانہ انداز میں جواب دیا۔

''مامون......'' رانیہ نے مامون کو دیکھا تو اس کی جان میں جان آ گئی۔ اسے جلتی دھوپ میں سائبان کا احساس ہونے لگا۔ اسے ایک دم سے یوں لگا جیسے وہ کسی مضبوط قلعے کے حصار میں آ گئی ہے۔

''ہاں ہاں یہ لڑکا ہے، میں نے خود دیکھا تھا دن رات یہاں گزار کر گیا تھا۔'' مسز طفیل نے بھی اسے دیکھتے ہی کہا۔ مامون پل بھر میں ساری صورتحال بھانپ گیا تھا اور رانیہ کی زرد پڑتی رنگت دیکھ کر اسے بے کلی اور بے چینی نے گھیر لیا تھا۔

''اگر ایک شوہر اپنی بیوی کے ساتھ رات گزار کر جاتا ہے تو آپ کو کیا تکلیف ہے بولئے۔'' مامون نے ان سب کو بالخصوص مسز طفیل کو دیکھتے ہوئے غصیلے لہجے میں سوال کیا تو سب کو دھچکا لگا۔

''بیوی...... یہ لڑکی تمہاری بیوی ہے۔'' مسز اسلم نے کہا۔

''جی ہاں! یہ لڑکی میری بیوی ہے، آپ لوگوں کو آپ کے مردوں کو جرأت کیسے ہوئی اسے اکیلی لڑکی سمجھ کر پریشان کرنے کی، یہ کوئی لاوارث نہیں ہے اس کے وارث زندہ ہیں، ابھی تین ماہ کے لئے اگر اسے یہاں رہنا پڑ گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ اکیلی ہے۔ ہمارا نیا گھر بن چکا ہے اور خواتین آپ دوسروں کے گھروں میں جھانکنے کی بجائے اپنے اپنے گھر کی اور شوہروں کی فکر کریں جو باہر دوسری لڑکیوں کے ساتھ راہ و رسم بڑھاتے ہیں اور یہاں نیک پارسا بن کر اکیلی لڑکی پر الزام دھرنے میں بھی پیش پیش نظر آ رہے ہیں۔'' مامون نے بہت تیز اور غصیلے لہجے میں کہا۔

رانیہ کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا وہ تو بس ممنونیت کے احساس کے تحت مامون کو پیار بھری

نظروں سے دیکھے جارہی تھی۔ جو آج بھی اس کی پاکیزگی کی گواہی بن کر آ گیا تھا۔ اسے اپنے قسمت پر رشک آرہا تھا وہ دل میں اللہ کا شکرادا کر رہی تھی۔ مامون کی واپسی پر اس کے حضور سجدہ ریز تھا رانیہ کا دل۔

''طفیل یہ لڑکا کیا کہہ رہا ہے تم باہر کسی لڑکی کے ساتھ پھرتے ہو؟'' مسز طفیل نے اپنے شوہر کو کڑے تیوروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''میں بتاتا ہوں یہ اپنی کولیگ کو محبت کے جال میں پھنسا رہے ہیں اس سے کہتے ہیں کہ میری بیوی پاگل ہے، موٹی ہے اور اس کی عقل بھی موٹی ہے اور وہ نفسیاتی مریضہ ہے میں نے خدا ترسی کے لئے اسے اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے کیوں طفیل صاحب یہی کہتے ہیں ناں آپ اپنی کولیگ نائلہ سے؟''

مامون نے سب کے متعلق معلومات اکٹھی کرلی تھیں اب سب کے کارنامے ان کے سامنے پیش کر رہا تھا۔

''جھوٹا ہے یہ۔'' مسٹر طفیل ٹپٹا کر بولے۔

''تو نائلہ سے بات کر لیتے ہیں۔'' مامون نے کہا۔

''تم تو گھر چلو ذرا گھٹیا آدمی تم نے مجھے پاگل اور نفسیاتی مریضہ کہا میرے بھائی تمہارا قیمہ بنادیں گے۔ چلو تم۔'' مسز طفیل غصے سے لال پیلی ہوتی مسٹر طفیل کو کھینچتی ہوئی لے گئیں تو مسٹر اسلم بھی کھسیا کر نکلنے لگے۔

''مسٹر اسلم، آپ نے تو اپنی ساتھی ورکرز کو یہ بتا رکھا ہے کہ آپ کنوارے ہیں اور افشاں کو آپ شیشے میں اتارنے میں کامیاب بھی ہو گئے تھے مگر آپ کو یہ سن کر افسوس ہوگا کہ میں نے اسے آپ کی اصلیت بتادی ہے۔'' مامون نے مسکراتے ہوئے اسلم سے کہا۔

''بھیا! معاف کرنا میں ان کمینوں کی باتوں میں آگئی تھی، یہ ٹونی اور خالد تو نرے شیطان ہیں مجھے بہکا دیا اور اسلم تم تو گھر چلو ذرا تمہارے تین بجے میں تمہاری محبوباؤں کو منہ دکھائی میں دوں گی۔ اب چلو بے ایمان آدمی۔'' مسز اسلم نے مامون سے معذرت کرنے کے بعد اپنے شوہر کو باہر دھکیلا تو مامون نے ٹونی اور خالد کو گھورا۔

''تم دونوں نے اپنے ایکسیڈنٹ سے کوئی سبق نہیں سیکھا نئی زندگی اللہ نے دی ہے تو اسے اچھے اور نیک کاموں میں صرف کرنے کی بجائے تم اب بھی اپنی آوارگی کا ثبوت دے رہے ہو۔ شرم سے ڈوب مرو، تمہارا ایک ایک کرتوت پولیس ریکارڈ میں محفوظ ہو گیا ہے۔ سدھر جاؤ ورنہ پولیس تم جیسوں کو سدھارنا خوب جانتی ہے اور تم دونوں کے لئے تو میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے آئندہ اگر میری بیوی یا کسی بھی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو تم دونوں کی آنکھیں نکال کر کتوں کو کھلا دوں گا۔ تم ہر وقت پولیس کی نظروں میں رہو گے۔ بولو یہ عید حوالات میں گزارنا پسند کرو گے یا......''

''ہمیں معاف کر دیں۔'' دونوں نے ڈر کر ایک ساتھ کہا۔

''دفعہ ہو جاؤ یہاں سے تمہارے ماں باپ کے پاس پولیس موجود ہے ان کے سامنے جا کر اپنی حرکتوں سے توبہ کرنے کا عہد کرو ورنہ......'' مامون کی بات پوری نہیں ہوئی تھی وہ دونوں ''ٹھیک ہے'' کہہ کر تیزی سے وہاں سے بھاگ نکلے۔ مامون نے رانیہ کی طرف دیکھا جو اسی حالت میں کھڑی تھی جو تین سال پہلے مامون کی ہو گئی تھی۔ مامون کو اپنی جانب دیکھتا پا کر مارے شرمندگی کے وہ رُخ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ مامون نے گہرا سانس لبوں سے خارج کیا اور دروازہ لاک کر دیا۔

''رانیہ!'' مامون نے اس کے قریب آ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر مدھم آواز میں پکارا

اور پھر اس کا رُخ اپنی جانب موڑ لیا۔ رانیہ کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ وہ بے قرار ہو گیا۔

رانیہ نے اشک بہاتی آنکھوں سے اپنے پر خلوص، بے ریا اور محبوب شوہر کا چہرہ دیکھا اور پھر اپنا ضبط ہار گئی اور اس کے سینے میں اپنا چہرہ چھپا کر بلک بلک کر رونے لگی۔ مامون تو اس کی اس حرکت پر حیران ہوا تھا بھلا وہ کب اسے اپنے قرب کے قابل سمجھتی تھی اور اب خود ہی اس کی پناہوں میں آ گئی تھی۔ اس نے بھی اسے اپنی بانہوں کے حلقے میں لے کر اپنی محبت اور حفاظت کا احساس دلایا۔

وہ بری طرح رو رہی تھی جیسے تین برس کے آنسو اس نے بچا کے رکھے ہوں اور آج انہیں اس کے دامن میں سمونے کی ٹھانی ہو۔

''بس رانیہ کچھ نہیں ہو گا تمہیں، میں ہوں ناں۔ خدا کے بعد تمہارا محافظ، تمہارا حصار...... ہوں...... بس شاباش حوصلہ کرو...... یہ سب بزدل اور چھوٹے لوگ تھے تم ان سے ڈر گئیں، تم تو بہت بہادر ہو بڑی ہمت والی ہو۔ پگلی، میرے ہوتے ہوئے تمہارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ میں تم سے بے خبر تھوڑی تھا، ان لوگوں کے متعلق انفارمیشن اکٹھی کر رہا تھا۔ یہ جاننے کے لئے کہ میری محبت کے آس پاس کس قسم کے لوگ رہتے ہیں...... اب میں تمہیں یہاں رہنے نہیں دوں گا۔ لگتا ہے تین سال سے میرے انتظار میں تم نے یہ آنسو سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔ چلو آج کھل کر رو لو لیکن دھیان رہے ان آنسوؤں میں تمہارا مامون نہ بہہ جائے۔'' مامون نے اس کے سر پر بوسہ دیا اور اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولا تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''مامون!''

''کہو میری جان۔'' اس نے پیار سے اس کے آنچل سے اس کے آنسو صاف کرتے

ہوئے کہا تو وہ بھیگتی آواز میں ندامت سے بولی۔

''مامون! مجھے معاف کر دیجئے۔''

''رانیہ!'' مامون حیرت سے اس کی صورت تکنے لگا، اس نے کب چاہا تھا کہ رانیہ اس سے معافی مانگے، وہ تو اس کی زبان سے اپنے لئے محبت کا اقرار سننے کا متمنی تھا، وہ اسے جھکانا نہیں چاہتا تھا۔

''میں تو کچھ اور سننے کے لئے بے تاب ہوں معافی نہیں رانیہ۔''

''پلیز......'' رانیہ نے اس کی محبت کی شدت سے مزید شرمندہ ہو کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے گویا مامون کی روح کو ہلا کر رکھ دیا۔

''یہ کیا کر رہی ہو رانیہ! ایسا تو کبھی نہیں چاہا میں نے کیوں مجھے گناہ گار کرتی ہو، ایسا کیا کیا ہے تم نے جو یوں معافی مانگ رہی ہو؟''

مامون نے اس کے ہاتھ علیحدہ کر کے باری باری چوم کر بے قراری سے کہا۔

''میں نے آج تک آپ کو بہت دکھی، آزردہ اور پریشان کیا ہے نا...... ہمیشہ آپ کو بُرا کہا...... بُرا سمجھا، آپ کو اپنا قصور وار سمجھتی رہی...... مگر میں غلط تھی، مجھے تو رخسانہ ممانی نے بدنام کیا تھا۔''

رانیہ نے روتے ہوئے اٹک اٹک کر اپنا جرم قبول کرتے ہوئے کہا تو مامون نے نرم لہجے میں کہا۔

''میں جانتا ہوں مدحت آپی سے دوپہر میری بات ہوئی تھی، انہوں نے مجھے ساری حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے، رانیہ! تم اگر میری بات سن لیتیں ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچتیں تو جان لیتیں کہ مامون ضیاء اتنا گھٹیا شخص نہیں ہے کہ اپنی محبت کو رُسوا کرے، اسے دکھوں اور

آنسوؤں کے حوالے کر دے، اسے اپنے سامنے جھکانے، نیچا دکھانے یا اپنے رد کئے جانے پر بدنام کر دے۔ نہیں رانیہ جان! میں مامون ضیاء تمہارے متعلق ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا، تم اپنی منگنی سے خوش تھیں تو میں بھی تمہاری خوشی میں خوش تھا۔ جسے دل میں بہت بلند مقام دے دیا جائے اسے محفل میں پستی میں نہیں گرایا جاتا، تم آج بھی میرے دل میں بہت بلند مقام رکھتی ہو، آئی لو یو رانیہ آئی لو یو ویری مچ۔"

"پلیز اپنی محبت کو معاف کر دیں۔" وہ پھر سے رو پڑی۔

"جس سے محبت ہو اس سے معافی کا تقاضا کرنا یا اس کی خواہش رکھنا کم از کم میں تو جائز نہیں سمجھتا۔ تمہاری میرے متعلق بدگمانیاں ختم ہو گئیں مجھے اور کیا چاہیے؟" وہ خوشی سے بھیگتی آواز میں بولا۔

"میرا پیار......"

وہ اپنے آنسو صاف کر کے بولی۔

"دو گی......"

مامون کی روح تک اس کی بات پر جھوم اٹھی تھی۔

"ہوں!" وہ شرما گئی۔

"لاؤ دو......" وہ شرارت اور مسرت سے بولا۔

"ابھی......"

"کیوں ابھی کیوں نہیں؟"

"آج تو چاندرات ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے ذو معنی بات کہہ گئی۔

"ارے واقعی آج تو چاندرات ہے مون نائٹ ہے آج میری رات ہے، کل عید کا دن اور

عید کی شب۔''

وہ ہنس پڑی مامون نے پہلی بار اسے ہنستے ہوئے دیکھا تھا وہ تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

''او گاڈ! پہلی بار تمہیں ہنستے دیکھا ہے ظالم لڑکی اتنی پیاری ہنسی مجھ سے چھپائے رکھی۔'' اس نے اس کی کنگن والی کلائی تھام کر پیار بھرا شکوہ کیا۔

''اب نہیں چھپاؤں گی۔''

''اب تو مجھ سے کچھ بھی نہیں چھپا پاؤ گی۔'' وہ شریر اور معنی خیز لہجے میں بولا۔

''ایک اچھی خبر سن لو، تمہارے اسجد بھائی ایک سال پہلے پاکستان آئے تھے، سارے حالات جاننے کے بعد بہت شرمسار ہو رہے تھے اپنے رویے پر، تمہارے لئے فکر مند تھے، میں نے انہیں تسلی دے دی تھی کہ میں اپنی رانیہ کو تلاش کر لوں گا۔ وہ واپس دبئ چلے گئے تھے، میرا ان سے فون پر رابطہ رہتا ہے۔ کل میں ان سے تمہاری بات کراؤں گا اور ممی ڈیڈی بھی تمہارے شدت سے منتظر ہیں۔ ہم کل عید منا کر شام کی فلائٹ سے کراچی ان کے ساتھ عید منانے جائیں گے بولو منظور ہے۔'' مامون نے نرمی سے انکشاف کرنے کے بعد اس کی رائے چاہی۔

''جی......'' وہ پرسکون ہو کر مسکرا دی۔

''تھینکس رانیہ! تم نے مجھے اپنی محبت کا تحفہ دے کر مالا مال کر دیا ہے۔'' خوشی سے مامون کی آنکھیں چھلک پڑیں رانیہ اس کی محبت پر فخر کر رہی تھی اور اس کے ہمیشہ ابدی محبت بھرے ساتھ کی دُعا مانگ رہی تھی۔

اسی وقت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے عید کی نماز کا اعلان ہونے لگا تو رانیہ اور مامون نے ایک دوسرے کو ایک ساتھ مبارک باد دی۔

”چاندرات مبارک ہو۔“

اور چند منٹ بعد رانیہ مامون کے ساتھ اس کی گاڑی میں اس کے برابر بیٹھی اس کے گھر جا رہی تھی جہاں محبتوں بھری چاندرات اور چاہتوں میں نکھرا عید کا دن اس کا منتظر تھا۔ وہ دونوں بہت زیادہ خوش تھے۔ مامون نے ہاتھ بڑھا کر گاڑی میں سیٹ ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا اور ایک خوبصورت نغمہ گاڑی میں گونجنے لگا۔

”تم کیا ملے زندگی ملی

چاندرات کو چاندنی ملی

مجھ کو ساری زندگی کا پیار مل گیا۔“

نغمے کے بول سن کر رانیہ اور مامون نے ایک دوسرے کو پیار سے دیکھا اور دونوں خوش دلی سے ہنس پڑے، افق پر عید کا چاند بھی ان دونوں کے پیار بھرے سنگم پر مسکرا رہا تھا۔

۞ ...... ختم شد ...... ۞